

سجاد مرزا مزاجیہ شاعری کے ”مرزا جٹ“، ہیں، لیکن اس طرح کہ نہ تو انہوں نے طنز کے تیر کسی ”جنڈ“ پر لٹکنے دیے ہیں اور نہ ہی کوئی ”ویرشمیر“ تہقید کا بھالا لیے، ان کے تعاقب میں ہے۔ ہاں البتہ مزاج کی پھل جھڑیاں ان کی شاعری کی ”صاحبائے“ کے ہونٹوں پر ہمہ وقت چھوٹی اور پھوٹی نظر آتی ہیں۔ مزاجیہ شاعری اپنے دربار میں ایک سکھ بند شاعر کی آمد پر اسے خوش آمدید کہتی ہے اور اس کے استقبال کے لیے آداب بجالاتی ہے:

ظرافت سے کرے دل شاد، مرزا
کہو سب مل کے زندہ باد مرزا
• نہ لے کیوں شاعری پر داد مرزا
کہ اس کا نام ہے سجاد مرزا

ڈاکٹر انعام الحق جاوید

قافلہ ادب کا عظیم سالار..... آپ کا پسندیدہ شاعر، دشیت تہائی، درد کی خوبی، شوقِ نیاز، غالب نکتہ بیں اور لفظ آئینہ جیسی کتابوں کا خالق سجاد مرزا..... اب دیدہ بیباک کے ساتھ آپ کے سامنے جلوہ افروز ہے۔ اب کی باروہ طنز و مزاج کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ادب کے میدان میں اترے۔

180

دیدہ بیباک سے آپ کو دیکھ دیکھ کر ظرافت کے رنگارنگ غبارے چھوڑ رہا ہے۔

محمد اقبال نجیبی



ظرفیت و مزاجیہ کلام

سجاد مرزا



فرودغ ادب اکادمی

لاہور — گوجرانوالہ — اسلام آباد

11/252

ضابط

نام کتاب	دیدہ بیباک
تحلیق کار	سجاد مرزا
سال اشاعت	۲۰۰۹ء
تعداد	۵۰۰
قیمت	ستہ روپے
کمپوزنگ	سجاد کمپوزنگ سٹریڈین پلازا، گوجرانوالا
سرورق	بلال
ناشر	فرودغ ادب اکادمی
لی سیلہ لٹ ٹاؤن گوجرانوالا	۸۸



احمد بشارت کے نام

سجاد مرزا کی مطبوعہ کتب

1966ء	-1	لہو پکارے گا
1983ء	-2	سوچاں
1984ء	-3	اکھر اال ہتھ زنجیر اال
1986ء	-4	بقاۓ دوام
1988ء	-5	کیفِ دوام
1990ء	-6	دشتِ تہائی
1992ء	-7	چراغِ آرزو
1994ء	-8	درد کی خوبیو
1994ء	-9	غالب نکتہ بیس
1997ء	-10	پرتوِ اقبال
1998ء	-11	شوقي نياز
2002ء	-12	لفظ آئینہ
2009ء	-13	دیدہ بیباک

ہر طرف لوگ رُٹپتے ہوئے دیکھے ہم نے
”لے کے جائیں تجھے اے دیدہ بیباک کہاں؟“

اب کے دل جو ذرا سنبھل جائے
 شعر لکھوں میں چٹ پٹے جانا!

پیشوائی

سجاد مرزا کی کتاب ”دیدہ بیباک“ کا مسودہ زیرِ نظر ہے۔ یہ ان کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔ اس مسودے کی تقدیم کے لیے میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ کتاب سے پہلے تخلیق کار کا عام اور مختصر تعارف کراؤں، کیوں کہ کتاب تخلیق کار کی شخصیت ہی کا تحریری اظہار ہوتی ہے۔ اس کے بعد چونکہ کتاب طزو و مزاح کا مجموعہ ہے، اس لیے اس صفتِ خن کی اہمیت پر کچھ عرض کروں گا۔ کچھ اس کا اردو ادب میں ارتقا کا ذکر کر دوں گا۔ اس کے بعد کتاب کے مندرجات پر تفصیلی بحث کروں گا اس طرح کتاب کی اہمیت اور افادیت قاری پر اچھی طرح واضح ہو جائے گی اور کتاب کی اشاعت کا جواز بھی پوری طرح ثابت ہو جائے گا۔

میری ذاتی معلومات کی حد تک سجاد مرزا کا ذاتی اور صفاتی تعارف یہ ہے کہ وہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج، گورانوالا میں اردو کے اُستاد کی حیثیت سے پڑھاتے ہیں۔ اردو اور پنجابی میں متعدد نظم و نثر کی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ نظم کی کسی صنف میں ان کا قلم کوتا ہی نہیں کرتا۔ اردو، پنجابی، انگریزی اور ہندی میں انہیں اچھی خاصی دسترس حاصل ہے۔ شاعری میں برج بھاشانی زبان بھی بڑے مزے میں استعمال کرتے ہیں۔ جہانیاں جہاں گرد ہیں۔ یورپ کے اکثر ممالک کی سیر کی ہے۔ وہاں کی تہذیب کو بھی دیکھا اور پرکھا ہے اور وہاں کے تمدن کو بھی۔ مغربی تہذیب کے لفظ سے بیزار ہو کر واپس آ گئے لیکن با ایں ہمہ شخصیت کے رچاؤ اور جاذبیت کا یہ عالم ہے کہ۔

یہ اعجاز ہے حسن دیوانگی کا
جہاں بھی گئے داستان چھوڑ آئے

محبت اور دیوانگی فطرت کا لازمی غصر معلوم ہوتا ہے۔ بقول شاعر ”مرا مراج لڑکپن سے عاشقانہ ہے۔“ اسی شاعرانہ قول کے مصدق ہیں۔ جنونِ عشق کی سیر گاہ میں بھی گھومے پھرے ہیں۔ اس لیے غزل خوب کہتے ہیں۔ بلکہ اس فطرتی جذبے کے صدقے میں نظم کی ہرنوع میں

آپ کو تغزل کا خاصاً چوکھارنگ نظر آئے گا۔ ان کا یہ لہجہ و آہنگ دل کو آسودگی بھی دیتا ہے اور دماغ کو داہاتی بھی۔ یہ اسلوب زندگی کے سفر کو آسان بنانے میں بھی مددگار ثابت ہو گا اور مصائب و آلام کو ہلکا کر کے، ان کے مقابلے کا حوصلہ عطا کر دے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ طنز و مزاح ایک مشکل طرزِ نگارش ہے۔ اس میں محنت اور ریاض یا التفاقات لکھنے والے کو کام نہیں دے سکتے۔ دراصل اس سخن کی صنف کے لیے نظر کی تیزی اور مشاہدے کی طراری کی ضرورت ہوتی ہے۔ نظر اس قدر دور رہ ہو کہ ہر منظر کے بطن میں اتر جائے۔ خصوصاً انسان کے تحت اشعری عوامل اور تحریکات کو دیکھ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مزاح نگار اپنی تیزی نگاہ سے انسان کے ظاہر اور باطن کو دیکھ لیتا ہے اور دونوں کا فوراً تقابلی مطالعہ کر کے تضادات کو باہر نکال لاتا ہے۔ مگر انہی تضادات کو تقابل کے ساتھ اپنی دل کش زبان اور دلچسپ پیریہ اظہار میں بیان کر کے مزاح پیدا کر دیتا ہے یا طرز کا تلخ رویہ اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح اصلاح احوال کی ایک دل چسپ اور مفید صورت نکال لیتا ہے اور یہی کارکردگی اس کی افادیت کی صفائح بھی بن جاتی ہے اور اہمیت کی بھی۔ کامیاب طنز و مزاح کے لیے تضاد بطن کے علاوہ ایک اور صنعت کی بھی دلچسپی پیدا کرنے کے لیے بہت ضرورت ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ افسانے کے پلات کی طرح قاری پہلے سے یہ محسوس نہ کر سکے کہ تخلیق کار، اب اندازِ اظہار میں اور واقعات کے بیان میں کیا رخ اختیار کرے گا۔ ہر حملہ غیر متوفق اور غیر محسوس ہونا چاہیے۔ اسی طرح سے نگارنده کی قاری کے ذہن پر آخر تک پوری گرفت ہوتی ہے۔

مزاح نگار کے لیے صرف زندگی کے گرد و پیش کا مطالعہ ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ اسے مختلف علوم کے مطالعے کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اسے مختلف تاریخی، تلازی اور تہییحی حوالے دینے پڑتے ہیں۔ روایات اور ضرب الامثال کی طرف بھی اشارے کرنے پڑتے ہیں۔ زندگی کے مختلف فلسفوں کو بیان کرنا پڑتا ہے اور یہ تمام چیزیں اظہار و بیان میں صلابت اور وزن پیدا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ یہی خیالات میں تحریک پیدا کرتی ہیں اور قاری کو لطف اندوzi کے ساتھ سوچنے پر بھی مجبور کر دیتی ہیں۔

”دیدہ پیباک“ کا مسودہ پڑھنے سے مجھے پورا اندازہ ہو گیا ہے کہ مندرجہ بالاتමام لوازم و کوائف سجاد مرزا کی ادبی شخصیت اور وجہت میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کائنات اور ہماری روز مرہ کی زندگی میں ظاہر ہونے والی اشیاء اور واقعات جنھیں ہم عام طور پر لائق توجہ بھی نہیں گردانتے، وہ مزاج نگار اور طنز طراز کے یہاں پہنچ کر رازوں اور حکمتوں کا مظہر بن جاتے ہیں اور یہ تصویر یہیں بھی بڑی پہلو دار ہو جاتی ہیں۔ وہ انھیں نئے نئے زاویہ ہائے نظر سے دیکھنے کا عادی ہوتا ہے۔ لیکن ایک ذہین اور حقیقت پسند مزاج نگار اس پہلو داری میں بھی حقائق کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔ سجاد مرزا نے بھی کائنات اور زندگی کے حقائق کو اپنے تخیل کی رنگارنگی اور پہلو داری کے باوصف حقائق کو کہیں نظر انداز نہیں کیا۔ کہیں ہوائی قلعے نہیں بنائے۔ کہیں اظہار اور ابلاغ میں بے جا مبالغہ اور غلو سے کام نہیں لیا۔

طنز و مزاج دو علاحدہ اکائیاں اور عنوانات ہیں۔ ان کا اپنا شخص علاحدہ۔ اجزاء تربیتی مختلف اور تاثیر و تاثر جدا گانہ ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ صورت اور سیرت دونوں میں مماثلت و مشابہت بہت زیادہ۔ تاثیر اور نتائج خیزی میں بھی تو ارد و تمائل موجود رہتا ہے۔ اس لیے عموماً لوگ ان دونوں کو ایک ساتھ استعمال کر لیتے ہیں بلکہ اکثر حضرات تو ان دونوں کو متراوف خیال کرتے ہیں۔ ہم ان دونوں میں امتیاز قائم کرنے کے لیے ان کے اجزاء تربیتی علاحدہ علاحدہ بیان کر دیتے ہیں اور اس امتیاز کی رو سے ہی سجاد مرزا کے کلام کو پرکھ لیتے ہیں۔ اس طرح ان دونوں کی نوعیت اور ماہیت کی پختہ شناخت بھی قائم ہو جائے گی۔

مثلاً مزاج کے شخص میں تعمیری عناصر زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر کہیں طنز کی تلخی کا شاسبہ آ بھی جائے تو بہت ہلکا بلکہ زیر نقاب ہوتا ہے۔ مزاج تبسم آفریں بھی ہو سکتا ہے اور خنده دندان نما کا مصدر بھی بلکہ بعض اوقات تو قہقہہ طرازی بھی کرڈالتا ہے۔ مزاج میں دل آزاری اور نفرت کے اجزاء بالکل نہیں ہوتے۔ اس کے مزاج میں لطافت اور سرت آفرینی ہے۔ غم غلط کرتا ہے، غم انگیزی نہیں کرتا۔ دل اور دماغ کی خراشوں پر مر ہم کاری اس کا کام ہے۔ زندگی کی ہمہ وقتوں تلمذیوں اور ناگواریوں کو ایک لمحے کے لیے بھلا دیتا ہے۔ کبھی مزاج الفاظ کے الٹ پھیر سے پیدا کیا جاتا

ہے اور کبھی غیر معمولی حرکات و سکنات سے۔ کبھی کسی کلام کی تحریف لفظی و معنوی سے۔ کبھی مزاج نگار دوسروں سے مذاق کرتا ہے۔ کبھی اپنی ذات ہی کو مزاج کا نشانہ بنالیتا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ کامیاب ترین مزاج اپنی ذات کو نشانہ بنانے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ خود آزاری سجادہ مرزانے بھی اپنے بہت سے اشعار میں استعمال کی ہے اور معاملہ بہت دل چسپ ہو گیا ہے۔ مزاج میں ہمیشہ خیرخواہی اور محبت کے جذبات کا فرمار ہتے ہیں اور اس کی غمربائی کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے ہی اس کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ ”دیدہ بیباک“ میں بھی ہمیں ہر جگہ محبت، ہمدردی، خیرخواہی اور غمربائی کے آثار نظر آتے ہیں۔

مزاج کے برخلاف طنز میں تخریجی عناصر زیادہ ہوتے ہیں۔ مثلاً طنز عیوب چینی کرتا ہے۔ نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ ہر بات کاٹ دار ہوتی ہے ہر دار جگر خراش اور دل آزار ہوتا ہے۔ طنز کمزوریوں اور ناہمواریوں کا بے رحم مذاق اڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ مزاج کی طرح طنز بھی الفاظ کے الٹ پھیر سے اور لفظی اور معنوی تحریف سے پیدا کیا جاتا ہے۔ فتح حرکات و سکنات طنز کا سبب بن جاتی ہیں۔ مزاج کی طرح طنز نگار اپنی ذات کو بھی نشانہ بناسکتا ہے اور دوسروں کو بھی۔ لیکن خود کو نشانہ انتہائی ماہی اور نا مرادی کے عالم میں ہی بناتا ہے اور یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ”خود آزاری“ کے نفیاتی مریض ادیب و شاعر زیادہ تر خود کو نشانہ بنانا کر خوش ہوتے ہیں۔ یہ ایک مستقل نفیاتی مرض ہے اور اسی وجہ سے اس کے شکار طنز سے کچھ اصلاحی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ نہ عبرت پکڑتے ہیں، نہ اصلاح کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ طنز کو تحریف اور تغیری دونوں کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

طنز اگر بد فطرتی اور بد خواہی کی وجہ سے نہ ہو تو اصلاح احوال میں مزاج سے زیادہ تیز اور دیرپا اثر کرتی ہے، لیکن بد فطرت لوگ طنز کو ہمیشہ تخریب کاری کے لیے ہی استعمال کرتے ہیں۔ لوگوں کو نفرت کا نشانہ بناتے ہیں۔ انتقام کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ماہی پیدا کرتے ہیں۔ اپنی شنگ نظری اور کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لیکن تغیری پسند ادیب و شاعر طنز سے بھی تغیری کام لیتے ہیں۔ طنز کا اثر گہرا اور تیز ہوتا ہے۔ بڑے بڑے کاموں کی تحریک اور تحریص کے لیے کاث دار طنز کو

ہی کام میں لانا پڑتا ہے۔ بس یوں خیال فرمائیں کہ نیت کا فرق ہو جاتا ہے۔ طنزگار کو اعلیٰ ظرفی، اصلاح پسندی اور خیرخواہی کے جذبات کو کام میں لانا پڑتا ہے اور پر خلوص طنز کو اظہار کی چاکب دستی کی وجہ سے مطعون شخص بھی خوب سمجھ جاتا ہے اور ناگواری محسوس نہیں کرتا بلکہ اگر خود بدفطرت اور تنگ نظر نہیں ہے تو طناز کا شکر گزار ہوتا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ سجاد مرزا نہ "خود آزاری" کے نفیاتی مريض ہیں، نہ مردم آزاری کے اس لیے ان کی کتاب "دیدہ بیباک" میں طنز کے مظاہر بہت کم کم ہیں۔ بلکہ چھلکے ہیں اور تعمیری و اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہیں۔ اب طنز و مزاح کی اصولی اور تجزیاتی بحث کے بعد یہ ضروری ہے کہ ان اجزاء ترکیبی کے حوالے سے سجاد مرزا کے کلام کو مختلف عنوانات کے تحت پر کھلایا جائے۔

سجاد مرزا جذبہ، تخلیل، احساس اور فن کے لحاظ سے بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ عشق و محبت ان کے خمیر میں شامل ہے۔ اس کا ثبوت عملی طور پر دے چکے ہیں۔ اس لیے غزل کی مزاولت و ممارست اور مسلسل ریاض کی وجہ سے "تغزل" ان کی پوری شاعری کا غالب حصہ بن گیا ہے۔ غزل ہو یا نظم، حمد ہو یا نعت، قطعہ ہو یا خلاشی، پنجابی کلام ہو یا اردو، تغزل کا چوکھا رنگ ہر جگہ موجود رہتا ہے۔ یہ ان کی شاعری کی اہم شناخت ہے۔ چنانچہ اس کتاب کی غزلوں اور قطعات میں بھی آپ کو تغزل کی نظر افروزی اور دل نوازی ہر جگہ نظر آجائے گی۔ مثال کے طور پر چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ پہلے خالص تغزل ملاحظہ ہو۔ ایک مزاجیہ غزل میں سے اقتباس ہے اور غالب کی پہلی غزل کی تحریف بھی ہے:

یوں بگاڑا اس نے حلیہ یار کی تصویر کا
جس طرح نقشہ بدل ڈالا گیا کشمیر کا!
خطہ اسے لکھے، پر داک بھی میں نے کیے
کیوں اثر ہوتا نہیں اس پر مری تحریر کا؟
رات بھر کھاتا رہے گا واعظِ گنبدِ شکم
اس کے آگے رکھ دیا ہے دیگچہ ہی کھیر کا!

کاروبار زندگی کی بات بھی جس سے کریں
لے کے شکوہ بیٹھ جاتا ہے وہی تقدیر کا
ایک اور چھوٹی بحر کی غزل میں مزاجیہ تغزل کا لطف اٹھائیے۔ زبان و بیان، تلازمات اور
دلاتوں میں تغزل کی نسود ہے:

کیا سیاست کا یہی معیار ہے
جو بھی ہے وہ قوم کا غم خوار ہے
جس کے منہ میں جو بھی آیا، کہہ دیا
آج کل آزادی گفتار ہے!
حسن آوارہ کی رنگت اُڑ گئی
عشق کا مندا پڑا، بازار ہے
مفت پینے کا عزمانہ لد گیا
شیخ سے ساتی کی اب پیکار ہے
کس طرح لکھے ”رپٹ“ تیرے خلاف
تیرا عاشق ہے جو تحانیدار ہے!
چھوڑ دے سجاد مرزا شاعری
تیری ۰۔ بیگم کا یہی اصرار ہے

اب طنز یہ تغزل کی دو تین مثالیں پیش کر دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ مزاج یا طنز کا ہی
لغز نہیں ہے بلکہ یہاں سیاسی، اخلاقی اور ثقافتی اشارات بھی آگئے ہیں اور اشعار میں خوب
صورت پہلوداری پیدا ہو گئی ہے۔ بعض اوقات ایک ہی شعر میں کئی رنگ جلوہ نما ہو جاتے ہیں:

ابھی ان سے لڑائی ہو رہی ہے
کہا کس نے جدائی ہو رہی ہے
کوئی بھی گھر نہیں محفوظ اس سے
لگائی اور بچائی ہو رہی ہے

میجا اس کا چارہ کیا کرے گا؟
 بڑی مہنگی دوائی ہو رہی ہے
 کہا میں نے کوئی تکلیف جانا؟
 کہا اس نے کہ ”بھائی“ ہو رہی ہے
 سیاست کی طوائف کو سجا کر
 دھڑلے سے کمائی ہو رہی ہے!
 جہنم میں لیے جاتے ہو سب کو
 یہ کیسی رہنمائی ہو رہی ہے؟
 ایکشن جیت کر سجاد مرزا
 ہماری شان ”ہائی“ ہو رہی ہے
 اب ذرا قطعات کا تعاقب کر لیتے ہیں۔ ان قطعات میں طنز اور مزاح کا خوب صورت
 امتزاج ہو گیا:-

ہمارے پاس بھی دو چار غزلوں کا اٹاٹہ ہے
 سنائیں گے ، ہمارے سامعین کالے ہوں یا گورے
 ہمارا بھی تعلق ہو اگر اخبار سے یارو!
 کبھی دوحا ، قطر ، مقط ، کبھی یورپ کے ہوں دورے
 ان قطعات میں ذرا تیکھے اور کاث دار طنز کے وار بھی دیکھے لیجیے مگر ایسی مثالیں ذرا کم ہی
 ہیں:

نگاہِ اہل بصیرت ہے کیا غصب ڈھاتی
 کہ جس پڑ گئی ، اس کو تباہ کرتی ہے
 ہمارے افسرِ خوش حال کی حسین یوی
 بصدِ خلوصِ سمجھی سے بنہ کرتی ہے!

کہیں مسلک پر رگڑا ہے، کہیں مذہب پر جھگڑا ہے
چلن سجاد بگڑا ہے ہمارے دور میں سب کا
چلاتے ہیں مساجد میں جو آ کر گولیاں اکثر
انہیں ذر ہے خدائی کا، نہ ان کو خوف ہے رب کا

سر پھٹول ہو رہی ہے مسجدوں میں آج کل
واعظِ شیریں بیان کے وعظ کا اعجاز دیکھ!
کہہ رہے ہیں ایک دوچے کو سمجھی کافر یہاں
یہ اخوت کے سکھانے کا حسین انداز دیکھے

بلندی پر خودی سجاد رکھی!
کسی دلدار کے پیچھے نہ بھاگے
ہمیں شہرت سے کچھ مطلب نہیں تھا
کسی اخبار کے پیچھے نہ بھاگے!

کہیں کہیں سجاد مرزا نے ہم عصروں اور ہم شہروں پر شاعرانہ چوٹیں بھی کی ہیں لیکن ایسی
مثالیں شاذ ہیں مگر دل پہنچپ ہیں۔

ایسے جھوٹے لوگ جن کو جانتا کوئی نہیں
آپ کہتے ہیں انہیں اس شہر کی پہچان ہیں
مال دے کر دوسروں سے شعر لکھواتے ہیں جو
ایسے "حضرت،" بھی یہاں اب صاحبِ دیوان ہیں

چار دن کی زندگی میں چار غزلیں کہہ سکے
محفلوں میں اس بساطِ بخز سے لیتے ہیں کام
یہ ہمارے شہر کے خود ساختہ استاد ہیں
چھوٹے چھوٹے ان کے درشن بھاری بھاری ان کے نام
سجاد مرزا نے عوامی ذوق کا خیال رکھتے ہوئے عوامی اشعار اور قطعات بھی پیش کئے ہیں
لیکن حتیٰ المقدور بھکڑو بازی سے دامن بچایا ہے یہ ان کی سلاست طبع کی دلیل کہی جاسکتی ہے۔
رپٹ لکھوا میں بھی تو کس طرح ہم جا کے لکھوا میں
کہ تھانے میں ہر اک بندہ ترا معلوم ہوتا ہے



نواسوں، پوتیوں کو اب سلا کر آ بھی جا جاتا
اندھیری رات کا دم ٹوٹتا معلوم ہوتا ہے



کریں کیا ہم یقین، اس بے وفا کا؟
ہمیں ڈیڑی سے پتواتی رہی ہے!
ہمارا ساتھ کیا وہ دے سکے گی!
اندھیرے سے جو گھبرا تی رہی ہے
رقیبوں کو بلا کر اپنے گھر میں
ہمیں سجاد تڑپاتی رہی ہے!

.....

دالوں کے ریٹ بڑھ گئے، آٹے کے ریٹ بھی
اب منہ چڑا رہی ہے یہ خالی پلیٹ بھی!
کتنے دنوں سے کہہ رہا ہے مالکِ مکان
سجاد! اب یہاں سے تو بستر لپیٹ بھی!
”دیدہ بیباک“ میں چند نظمیں اور فردیات بھی شامل ہیں۔ یہ بھی بہت دلچسپ ہیں، زبان

دیان کے لحاظ سے بھی اور مزاجیہ نکتہ طرازیوں کے حوالے سے بھی۔ صرف ایک نظم ”دلاور جان“ کے چند اشعار پیش کر دیتا ہوں۔ اس سے آپ اس گلستان کی بہار کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔

اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی
مگر ہم سے خدا جانے وہ کیوں انجان رہتی تھی
وہاں خالہ بھی اس کی صورت شیطان رہتی تھی!
ملاقات اس سے ہر شب کس قدر آسان رہتی تھی
کبھی وہ ساز اور آواز کا جادو جگاتی تھی
کبھی وہ روٹھ جاتی تھی، کبھی وہ مان جاتی تھی
ہمارے قلب مضطر پر کبھی بھلی گراتی تھی!
اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی
آخر میں ”اور پھر بیاں اپنا“ کے زیر سایہ ”فریدیات“ کا رنگ بھی دیکھ لیجئے۔

مجھے ہر روز لا کر نان اور پائے کھلاتا تھا
”خدا بخش، بڑی ہی خوبیاں“ میں مرنے والے میں

شیخ بولے دیکھ کر ”سن باتھ“ کرتی گوریاں
”آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق“

تو پکا کے کھیر جاناں! کیوں اکیلی کھا رہی ہے؟
”وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی“

مجموعی طور پر کتاب خاصی دلچسپ ہے۔ غم غلط کرنے کا اچھا ذریعہ ہے۔ بات خاصی طویل ہو گئی۔ معدودت کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں۔

بقول نظیری نیشاپوری۔ ”لذیذ بود حکایت دراز تر گفتتم !!“

پروفیسر اسرار احمد سہاواری



جب ہوا میں ان کے گھر مہمان پہلی مرتبہ
دال کے پکنے لگے پکوان پہلی مرتبہ

کوئی ہم سے دل خریدے یا جگر، کھولیں گے ہم
اک سپئیر پارٹس کی دکان پہلی مرتبہ

تم نے مانگا ایک لہنگا اور ہم اُٹھا لائے کئی
ریشمی کپڑے کے مہنگے تھان پہلی مرتبہ

رات دن چکرائے رکھتی ہیں فلک کی گردشیں
جب سے کھایا ہم نے میٹھا پان پہلی مرتبہ

جان دی کوچے میں تیرے ، تو تماشائی بنا!
یوں ہوا ملنا ترا آسان پہلی مرتبہ

کڑ کڑاتا نوٹ سو کر لیا مٹھی میں بند
تب کھلا ہم سے ترا دربان پہلی مرتبہ

اپنی نادانی پہ ساری عمر پچھتاتی رہی
کہہ دیا تھا اس نے ”بھائی جان“ پہلی مرتبہ



ہاں اسے سمجھو کرامت دیدہ بے باک کی!
ہم نے اپنے عہد کے تن کی قبا جو چاک کی

کس لیے کہتے ہوتم، ہم لوگ دہشت گرد ہیں؟
کیا ڈراتی ہے تمہیں ہبیت ہماری دھاک کی

ایک اک قطرہ ہمارے خون کا ہے اس کے لیے
ہم قسم کھاتے ہیں اپنی سر زمین پاک کی!

ہر کوئی بندہ لگا ہو ٹانگ جس کی کھینچنے
حمرانی کی بھی اس نے تو بھلا کیا خاک کی

دل ہمارا بن گیا ہے درد گی آماج گاہ
اس لیے ہم نے ظرافت کی ادا پوشک کی!

”گروپہ کشن روزِ اول“ پر عمل جس نے کیا
اس کی ہی بیوی چلے گی سیدھ میں پھرناک کی

اس کے لبھ میں بھری تھیں تلخیاں ہی تلخیاں
اس نے بھولے سے اگر سجادہم سے ”ٹاک“ کی

.....

ہم نے تیرا شباب دیکھا ہے
عاشقوں پر عذاب دیکھا ہے

سارے کھاتوں میں کتنی گڑ بڑھی
جب حساب و کتاب دیکھا ہے!

بوجھ لادے ہوئے چلے پچے
کیا انوکھا نصاب دیکھا ہے

عمر ہے سائھنگی جوال ہے وہ
یہ کمال خضاب دیکھا ہے

کھا لیے مرغ دو تو چہرے پر
اک عجائب پیچ و تاب دیکھا ہے

پچ کہا جب بھی رو برو ان کے
خود کو زیرِ عتاب دیکھا ہے!

اپنی چھت پر نظر رہی سجاد
جب اُمّتا سحاب دیکھا ہے!

.....☆☆.....

111252

پڑھتے ہیں توجہ سے جو اخبار مسلسل
شمجھو کہ وہ بے چارے ہیں بیکار مسلسل

وہ عشق نبھانے کے بھی قابل نہیں رہتے
پھرتے ہیں مری جان ! جو بے کار مسلسل

جو نشے کے عادی ہیں، علاج ان کا یہی ہے
پڑتے رہیں جوتے نہیں دو چار مسلسل!

تعلیم سے جو بھاگے ہیں، افرادہ بنیں گے!
آتے ہیں نظر مجھ کو یہ آثار مسلسل

زنجیر غلامی ہے مقدر میں انہی کے
ہاتھوں میں جو رکھتے نہیں تکوار مسلسل

صحراء میں بدل جائے گی اک روز یہ بستی
کلتے ہی چلے جاتے ہیں اشجار مسلسل

یورپ کی جو خوش رنگ فضاؤں میں مگن ہیں
سجاد انہیں ڈھونڈتے ہیں یار مسلسل

.....☆☆.....

بہت علم و ادب سے دوستوں کو پیار ہے ساقی
کہ ملکروں میں بٹا پھر آج کا اخبار ہے ساقی

پھرے ہے کار میں لیکن ”غریب شہر“ کہلانے
ہمارا یار شبرا تی جو“ کر خندار“ ہے ساقی

شرف انسانیت کا کوٹھیوں، کاروں سے کیا ہوگا
ہمارے دور کا لیکن یہی معیار ہے ساقی!

مریضوں کے بدن سے کھال بھی جو کھینچ لیتا تھا
سنا ہے آج کل وہ ڈاکٹر یمار ہے ساقی

جسے اک شعر بھی کہنا نہیں آتا، اُسے دیکھو
ہمارے عہد کا وہ شاعرِ دمدار ہے ساقی

ہونے جو فیل انگریزی میں پڑھنے سے وہی بھاگے
یہی تعلیم کے رستے میں اک دیوار ہے ساقی!

دفاتر میں اگر اردو کو نافذ کر دیا جائے
تو پھر سجاد کی یہ افری بے کار ہے ساقی!

.....☆☆.....

اُسے لکھ کر بلانا پڑ گیا ہے
رقیبوں کا کلیجہ سڑ گیا ہے

کہا اس شوخ نے جس کو "برادر"
ندامت سے زمیں میں گڑ گیا ہے

رقیب رو سیہ لندن سدھارا
خدا کا شکر پتہ جھٹر گیا ہے!

چھ مصروع تھا کہ تھا کوئی بیڑا؟
گسی استاد سے جو لڑ گیا ہے!

جہاں سے بھاگنا چاہا تھا جلدی
سکوٹر کیوں وہیں پر اڑ گیا ہے؟

مقدار میں نہیں تھا وصلِ جاناں
بہانہ نت نیا وہ گھٹر گیا ہے!

جسے سجادِ حالِ دل سنایا
وہی دو چار ہم کو جڑ گیا ہے
.....☆☆.....

آج پنوڑی سے میٹھا پان کھانا چاہیے
اپنے ہوتوں کو ذرا سا سُرخوانا چاہیے

بات کرنے کے لیے کرتے نہیں ہم التجا!
ظیش کے عالم میں تم کو مسکرانا چاہیے

ایک شب میں آپ کو مشہور ہونا ہے اگر
بے سروپا اک ڈراما اور گانا چاہیے

مل ہی جائیں گے کئی حلقة بگوشی کے لیے
ان کی مخالف میں دمادم ، دم لگانا چاہیے

قرض کی اقساط شاید ہوں اسی صورت ادا
قوم کو یہ بوجھ نیکسوں کا اٹھانا چاہیے

آج مہنگائی نے سب کا کر دیا جینا حرام
قبر ہی میں اب شریفوں کو ٹھکانا چاہیے

دھو رہے ہیں بہتی گنگا میں سبھی سجاد ہاتھ
آپ کو بھی اپنی قسمت آزمانا چاہیے!

.....☆☆.....

شہرتِ عام لے کے پھرتے ہیں
سمیٰ ناکام لے کے پھرتے ہیں

کوئی پچانتا نہیں ان کو
جو ترا نام لے کے پھرتے ہیں

ایسے کچھ پختہ کار بھی ہیں ، جو
خواہش خام لے کے پھرتے ہیں

روشنی کے حریف ہیں کیا کیا!
ساتھ جو شام لے کے پھرتے ہیں

ہم نہیں ”ف“ کسی کہانی میں
یارِ ازام لے کے پھرتے ہیں

چیز ہوتی ہے جو چھپانے کی
وہ سرِ عام لے کے پھرتے ہیں

ہم وہاں کس کی معرفت جائیں
جس کا پیغام لے کے پھرتے ہیں!

..... ☆☆

صورت کسی صورت وہ دکھائے اسے کہنا
پتوں کو مگر ساتھ نہ لائے اسے کہنا

سجاد کی باتوں میں نہ آئے اسے کہنا
کچھ حسن کا جادو بھی چلائے اسے کہنا!

خالی نہ ہمیں چائے پلائے اسے کہنا
چھے سات پر اٹھے بھی پکائے اسے کہنا

ہیں یاد ہمیں ان کے لڑکپن کے فانے
ہم پر نہ یونہی رعب جمائے اسے کہنا

کچھ لوگ بنا دیتے ہیں باتوں کا بننگڑ
لوگوں سے ہر اک یات چھپائے اسے کہنا

گرپیٹ میں گڑ بڑ کوئی محسوس کرے ہے
دن رات وہ چرنے نہ اڑائے اسے کہنا

وہ شربت دیدار کے دو گھونٹ پلا دے
بیمار کو مرنے سے بچائے اسے کہنا!

یوں بگاڑا اُس نے حلیہ یار کی تصویر کا
جس طرح نقشہ بدل ڈالا گیا کشیدر کا!

خط اسے لکھے سپرد ڈاک بھی میں نے کیے
کیوں اثر ہوتا نہیں اس پر مری تحریر کا؟

لے اڑا اپنے مریدِ خاص کی چھوٹی بہو
کارنامہ دیکھے لیجے ایک ڈبے پیر کا!

رات بھر کھاتا رہے گا واعظِ گنبدِ شکم
اس کے آگے رکھ دیا ہے دیگچہ ہی کھیر کا

وصل سے انکار اس نے کر دیا ہے خواب میں
کاش ! ہو الٹا نتیجہ خواب کی تعبیر کا!

کاروبارِ زندگی کی بات جس سے بھی کریں
لے کے شکوہ بیٹھ جاتا ہے وہی تقدیر کا

جس نے کی سجادِ مرزا بات عقل و فکر کی
اس پر فتویٰ جڑ دیا ملاوں نے تکفیر کا!

.....☆☆.....

کہا ہم نے یہ مہنگائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب
کہا اس نے کہ ہاں بھائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

مٹن کے ریٹ پر دالیں خریدیں اور شرمائیں!
یہ روٹی دال ہر جائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

چلو اچھا ہوا تو نے جو رشتہ توڑ ہی ڈالا
ترے بیٹے کی کڑمائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

ولیے پر ہمیں چھے سات دھیگوں کی ضرورت تھی
کہا نائی نے پکوائی؟ کہاں پہلے تھی جو ہے اب

ہوا پڑوں جو مہنگا، سبھی چیزیں ہوئیں مہنگی
عجب آفت یہاں آئی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

وزیر حج کو توجہ کا سفر آسیاں بنانا تھا
قیامت اس نے جو ڈھائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

اسے سوچا کیے سجاد ہم بے کار میں بیٹھے!
ہمیں حاصل یہ تنہائی کہاں پہلے تھی جو ہے اب

.....☆☆.....

جہاں ہم کو دھواں اٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے
کسی مجنوں کا وہ تو مقبرہ معلوم ہوتا ہے

لگاتا ہوں ترے کوچے کے میں شام و سحر پھیرے
ترے یہ پیار بھی مجھ کو سزا معلوم ہوتا ہے!

اندھیری رات میں منہ کو اٹھا کر بھونکنے والا
ترے در پر مجھے دشمن کھڑا معلوم ہوتا ہے

بندھا ہے تیرے بازو پر نئے چڑے کا جو نکلا
خدا لگتی کہوں نقشِ وفا معلوم ہوتا ہے!

”جہاں گپڑی اچھلتی ہے، جسے مے خانہ کہتے ہیں“
وہاں واعظ بھی سجدے میں گرا معلوم ہوتا ہے

تمہارے پاس بیٹھا ہے رقیب رو سیہ ایسے
پتیلی کے قریں اُلٹا تو معلوم ہوتا ہے

جسے عورت سمجھتے ہیں بقول جعفری صاحب
”تپائی پر دھرا کچا گھڑا معلوم ہوتا ہے“

.....☆☆.....

میں پھر سے دل لگانا چاہتا ہوں
نیا اک زخم کھانا چاہتا ہوں

وہی ”انگل“ مجھے کہنے لگی ہے!
جسے ”وائف“ بنانا چاہتا ہوں

سینیں تو پیٹ میں سب کے پڑیں بل
غزل ایسی بنانا چاہتا ہوں

بہت دن رہ لیا ہے جھونپڑی میں
اب اچھا سا ٹھکانا چاہتا ہوں

رقب آتے نہ تھے جب تیرے گھر میں
میں وہ پہلا زمانہ چاہتا ہوں

ملے دادِ خن جس کو زیادہ
اسے نیچا دکھانا چاہتا ہوں!

سنے گا کون اب سجاد مرزا؟
پرانا گیت گانا چاہتا ہوں!

.....☆☆.....

ہر ہر قدم پہ سینکڑوں غم خوار گر پڑے
تیرا پتہ ہی پوچھ کر لاچار گر پڑے!

اُس نے کہا ہے رقص جو اپنا عدو کے نام
کتنے تماش بیس سر بازار گر پڑے!

کیا ہجوم شوق تھا نعروں کی گونج میں؟
گولی چلی تو چوک میں دو چار گر پڑے

ئی وی پہ جب سے بارہ مسالے کی چاٹ ہے
اس وقت ہی سے دلیں کے اخبار گر پڑے!

ساقی نے میکدے کو جو بولی پہ رکھ دیا
سجدے میں آج شہر کے مے خوار گر پڑے

کس کس کے سر کو عشق کا تحات پ چڑھا ہوا
اس کی گلی میں پہنچے تو بیمار گر پڑے!

سجاد آؤ ہم بھی انہیں دیکھتے چلیں
کچھ میں آج شیخ طرح دار گر پڑے!

.....☆☆.....

نہ یہ لڑکا ہے اے ساقی، نہ یہ خاتون ہے ساقی!
ہمارے دور کا، یہ دیکھے افلاطون ہے ساقی!

کرے جو عشق تو اس کو یہاں الو بناتے ہیں
محبت کی ولایت کا عجب قانون ہے ساقی!

تجھے پینے پلانے سے کوئی رغبت نہیں شاید
تری گردن پہ ہم پیاسوں کا کتنا خون ہے ساقی

ثقافت اور لکھر میں گرپس مغرب کی نقائی
یہ نسلِ نو کے حق میں قیمتی افیون ہے ساقی

تجھی سے مانگنے آتے ہیں روٹی اور کپڑا بھی
تجھے شاپد سمجھ رکھا ہے تو قارون ہے ساقی!

کرائے کامکاں ہے اور بل دینے ہوئے مشکل
ہمارے گھر میں بھلی، گیس، ٹیلی فون ہے ساقی

دسمبر کے مزے سجاد مرزا لوٹ لیتے ہیں!
مگر کہنے کو یورپ میں ابھی تک جون ہے ساقی!

.....☆☆.....

رقب کس لیے ان کو اکڑ کے دیکھتے ہیں؟
چلو تو ان سے بھی ہم آج لڑ کے دیکھتے ہیں

انہیں لڑائی بھڑائی سے کچھ نہیں مطلب
یونہی وہ پیار سے دوچار جڑ کے دیکھتے ہیں

اس عمر میں بھی تو قائم شباب ہے ان کا
ہم ان کے فوٹو کو پھروں پکڑ کے دیکھتے ہیں

ہمیں وہ کس لیے پاگل بنائے کے بھول گئے؟
گلے انہی کے ہم آج پڑ کے دیکھتے ہیں!

وہ ہم کو یاد بھی کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟
ہم اپنے پیاروں سے اب کے پچھڑ کے دیکھتے ہیں

سنا ہے منفیاں مل جائیں دو تو جمع بنیں
”نہیں ٹھیں“ جو کہیں ان سے لڑ کے دیکھتے ہیں!

سفارشوں ہی سے سجاد کام ہوویں ہیں
کسی وزیر سے ہم بھی چڑ کے دیکھتے ہیں!

.....☆☆.....

بہت مصروف ہوتے جا رہے ہو
یہ کس دنیا میں کھوتے جا رہے ہو

نہ مکھن ہاتھ آئے گا تمہارے
فقط پانی بلوتے جا رہے ہو

نتیجہ ہے نظر بازی کا شاید
مرے دل میں سموتے جا رہے ہو

رقبوں کو بلا کر اپنے گھر میں
بڑے مغرور ہوتے جا رہے ہو

خوشی کی راہ میں جان تنا!
غموں کے خار بوتے جا رہے ہو

کہا بیوی نے پچ بس کرو اب
مری کشی ڈبوتے جا رہے ہو!

یہ کیا انداز ہے سجاد مرزا!
کہ ہستے آئے روتے جا رہے ہو!

.....☆☆.....

گفتگو ہوتی رہی کل شام ٹیلی فون پر
مل گیا تھا پھر کوئی گلفام ٹیلی فون پر

نامہ بر بے کار پھرتے ہیں ہمارے شہر میں
آ رہا ہے نامہ و پیغام ٹیلی فون پر!

یورپی ملکوں میں جن کو مل گئی ہے شہریت
دال کو وہ کہنے لگے ہیں ”مام“ ٹیلی فون پر

چار کالیں کیس تو أبو نے جھڑک کر یہ کہا
”بس کرو اب، بڑھ گئے ہیں دام ٹیلی فون پر“

چور تو گھر کا صفائیا کر گئے مدت ہوئی
مج رہا ہے آج بھی کہرام ٹیلی فون پر

تورا بورا کر دیا اک شخص نے جذبات کو
دے گیا کل شب مجھے دشام ٹیلی فون پر

روٹھ کر سجاد وہ جب بھی گیا، دیکھا یہی
بن گئے بگڑے ہوئے سب کام ٹیلی فون پر

.....☆☆.....

اخبار میں اس شوخ کی تصویر تو دیکھو
کھولی ہے یہ کب پیر نے زنجیر تو دیکھو

آزادی نواں پہ پڑھے ہے وہ مقالہ
ہر شخص کو تڑپائے ہے تحریر تو دیکھو!

کوٹھی کی طلب اور کوئی کار کا بھوکا
ہر شخص ہے اس شہر کا دلگیر تو دیکھو

جو ایم۔ اے ہے اس کو تو کلرکی نہیں ملتی
دس پاس ہیں افریہاں تقدیر تو دیکھو

شاعر نہ ادیب اور مورخ نہ صحافی!
ثی۔ وی پہ ہے اس شخص کی تشریف تو دیکھو

اس دور کے تم چوٹی کے لیدر ہو یقیناً
کیا خوب بناتے ہیں یہ کف گیر تو دیکھو

ہر پیر و جواں کہتا ہے واللہ مکرر
سجاد کے اشعار کی تاثیر تو دیکھو

.....☆☆.....

ایک ہی رات وہ نھیر جاتی
اپنی تقدیر بھی سور جاتی

اپنے شوہر سے لٹ کے آئی تھی
کس لیے لوٹ کر وہ گھر جاتی؟

اس کو جانا ہی تھا تو جاتے ہوئے
میز پر اپنا فونڈھر جاتی!

اس کے اب انے وہ پٹائی کی
عشق کرتی نہیں تو مر جاتی

اپنی امی کی دھمکیوں سے وہ
ایسی دیسی نہ تھی کہ ڈر جاتی

اپنی حچت پر ہی آ کے دو لمحے
تیٹھے بولوں سے کان بھر جاتی

اُس کو وعدے کا پاس تھا بے حد
کیوں وہ سجاد پھر مکر جاتی؟

.....☆☆.....

کبھی نزدیک آ کر کب ہمیں اس نے پکارا
چھپا رکھا ہے اس کافر نے اپنا ہر نظارہ

ہم ایسے لوگ تھت اللفظ ہو کر جی رہے ہیں
کبھی لفظوں کے اوپر تھا ہمارا بھی اجارہ

ہماری دسترس سے اس نے خود کو دور رکھا
کیا ہے تیر تکے پر ہمیشہ ہی گزارہ!

لگائے اس کے کوچے کئے ہزاروں ہم نے چکر
کبھی ڈالا نہیں اس بے وفا نے ہم کو چارہ

سنجل کر جائیے گا نج بچا کر جائیے گا!
گیا جو اس گلی میں پھر نہ وہ آیا دوبارہ

تابئے گل بھی تھی یا وہ محفل میں تھی بیٹھی؟
کچھ اس انداز سے ظالم نے تھا آنچل اتارا

کہو سجاد مرزا آج کل کس حال میں ہو؟
انھائے پھر رہے ہو اب بھی شکوؤں کا پٹارا

.....☆☆.....

کیا سیاست کا یہی معیار ہے؟
جو بھی ہے وہ قوم کا غم خوار ہے

دیکھیے جو صاحب دستار ہے!
شہر اُس کا حاشیہ بردار ہے

جس کے منہ میں جو بھی آیا کہہ دیا
آج کل آزادی گفتار ہے!

حسن آوارہ کی رنگت اڑ گئی
عشق کا مندا پڑا بازار ہے!

ایک اک سرخی سے لگتا ہے یہی
خون میں تر آج کا اخبار ہے

سوچنے کی بات ہے اس دور میں
واعظِ شیریں سخن بے کار ہے!

چھوڑ دے سجاد مرزا شاعری
تیری بیگم کا یہی اصرار ہے!

.....☆☆.....

یہ کیسی سوغات اٹھائے پھرتے ہیں؟
لوگ عجب صدمات اٹھائے پھرتے ہیں!

اس دنیا کے میلے میں کچھ دنیا دار
اپنے خالی ہاتھ اٹھائے پھرتے ہیں!

ساون رُت کے آنے میں ہے دیر ابھی
لوگ مگر برسات اٹھائے پھرتے ہیں

ایسا ہو نقاد جو ان کو دیکھ سکے
ہم بھی تخلیقات اٹھائے پھرتے ہیں

میرے عہد کے کم ذاتوں کو دیکھو تو
جھوٹی بچی ذات اٹھائے پھرتے ہیں!

بے بنیاد سجا کے خبریں ماتھے پر
سارے اخبارات اٹھائے پھرتے ہیں

اپنے دکھ سجاد ہزاروں لوگ یہاں
مجبوراً دن رات اٹھائے پھرتے ہیں!

.....☆☆.....

اب کے یار لوگوں کی اور ہی اُڑائیں ہیں
تیر سے تھی ان کی آج بھی کمانیں ہیں!

اس گلی سے مت گزرو، اس گلی میں ہم نفو!
خود فروش لوگوں کی ہر طرف دکانیں ہیں!

تم کہاں اکیلے ہی سر پٹکنے والے ہو؟
دشتِ عشق کی یارو! ہم بھی خاک چھانیں ہیں!

سر کے بل وہ آئے گا، دل کے شہر میں اک دن
ہے کبھی یقین ہم کو اور کبھی گمانیں ہیں!

کس طرح گزاریں گے زندگی کے روز و شب؟
غم کا بوجھ بے بایاں اور نحیف جانیں ہیں

اس نے کر لیے کیسے ٹیپ، یہ تعجب ہے؟
درد سے بھرے نغے اور خوشی کی تانیں ہیں

کس طرح چلیں گے ہم سو جھتا نہیں کچھ بھی
اپنے راستے میں اب ہر طرف چٹانیں ہیں!

.....☆☆.....

فریاد ہر اک لب پہ یہاں آئی بہت ہے!
لگتا ہے کہ اس دلیں میں مہنگائی بہت ہے

دامن میں چھپا لیتی ہے سب چور، یہڑے
یہ رات کہ طجائی و ماوائی بہت ہے؟

کھڑکی سے اشارے جو کیا کرتی تھی اکثر
نzdیک جو آئی ہے تو شرمائی بہت ہے!

بیگم سے کہنا میں نے کہ یہرے بھی ہیں سرال
میکے میں اگر تیری پذیرائی بہت ہے!

تاروں کو گنا کرتے ہیں دشمن مرے جاناں!
مجھ کو تو بُشپ ہجر میں نیند آئی بہت ہے

آجاؤ کسی روز لیے بچوں کی ”رجنٹ“
مدت سے مرے ”کیمپ“ میں تھائی بہت ہے

ملتی نہیں سجاد کو انگور کی بیٹی!
اب ہار کے پینے لگا سردائی بہت ہے

.....☆☆.....

ابھی ان سے لڑائی ہو رہی ہے
کہا کس نے جدائی ہو رہی ہے

کہا میں نے کوئی تکلیف جانا؟
کہا اس نے کہ ”بھائی“ ہو رہی ہے

ہمیں بے بال و پرکر کے قفس میں
وہ کہتے ہیں رہائی ہو رہی ہے

مسیحا اس کا چارہ کیا کرے گا؟
بڑی مہنگی دوائی ہو رہی ہے

سیاست کی طوائف کو سجا کر
دھڑلے سے کمائی ہو رہی ہے!

جہنم میں لیے جاتے ہو سب کو
یہ کیسی رہنمائی ہو رہی ہے؟

ایکشن جیت کر سجاد مرزا
ہماری شان ”ہائی“ ہو رہی ہے

.....☆☆.....

کچھ لوگ فلک پر ہیں زمیں پر نہیں رہتے
یہ اہل سیاست ہیں کہیں پر نہیں رہتے

آجائے مرے بچوں کے ہاتھوں میں جو قتلی
صورت ہی بگڑ جائے، حسین پر نہیں رہتے

”بابو“ کی اگر مٹھی میں اک نوٹ دبا دو
دیکھا ہے کہ بل اس کی جبیں پر نہیں رہتے!

کیا ڈھونڈنے آئے ہیں محلے میں سپاہی؟
جو چور، جواری ہیں یہیں پر نہیں رہتے!

انکار نہ کر چائے کے دو گھونٹ پلا دے
ہم رند ہیں ایسے کہ ”نہیں“ پر نہیں رہتے

اڑ جاتے ہیں ہر روز مرے سارے کبوتر
کیا جانئے کیوں شاہنشیں پر نہیں رہتے

سجاد بناتے ہیں وہ ہر شام نئے دوست
یہ سچ ہے کہ وہ صرف تمہیں پر نہیں رہتے!

.....☆☆.....

گلوں میں تازگی آنے نہ دے گا
چمن آباد فرمانے نہ دے گا!

رویہ اس کا ہے بے اعتنائی
ہمیں وہ خود پہ اترانے نہ دے گا

تڑپتوں کو وہ تڑپاتا رہے گا
دلوں کا روگ وہ جانے نہ دے گا!

سائل سے اگرچہ آگئی ہے!
سائل حل وہ فرمانے نہ دے گا

اے تقید سے کچھ چڑھے ہے ایسی
وہ اپنی بات دھرانے نہ دے گا

شکاری ہے پرانا گھاگ بھی ہے
نشانہ وہ خطأ جانے نہ دے گا

ترے اشعار ہیں سجادِ مبہم!
زبانوں پر انہیں لانے نہ دے گا

.....☆☆.....

آپ کا ہم حُم مانیں کس لیے؟
دھوپ کو گھڑی میں باندھیں کس لیے؟

جو لگاتا ہی رہے چرکے سدا
جان سے پیارا اس کو لکھیں کس لیے؟

شاعری ہے، کھیل بچوں کا نہیں
بے تکی گرہیں لگائیں کس لیے؟

چند پیسوں کے علیے پرولیں میں
بھائیوں، بیٹوں کو بھیجیں کس لیے؟

سرد رُت کی یاد آئی دھوپ میں
آپ کا برتاو بھولیں کس لیے؟

تم اندر ہرے کے پچاری سر بہر
ہاتھ ہم، تم سے ملا میں کس لیے؟

آ کے ہم سجاد باتوں میں تری
عمر بھر کا روگ پالیں کس لیے؟

.....☆☆.....

چلو کہ پھر سے محبت کا روگ پاتے ہیں
جو دال "گل" نہیں پائی اسے بھی "گالتے" ہیں

وہ اپنی بزم سے ایسے ہمیں نکلتے ہیں
کہ سر پر آئی بلاؤں کو جیسے ناتے ہیں

بڑے شریف یہاں لوگ آئے بیٹھے ہیں!
دروں میکدہ گپڑی کوئی اچھاتے ہیں

خیال آتا ہے، اس در پر دیکھ کر کتیا!
بڑا سا ہم بھی "گرے ہاؤڈ" کوئی پاتے ہیں

جو ان کے گھر میں محلے کی مرغیاں دیویں
نا ہے روز وہ اندرے وہی ابالتے ہیں!

جو منہ میں آتا ہے بکتے ہی وہ چلے جاویں
نہ رات دیکھتے ہیں اور نہ دن وہ بھالتے ہیں

وہ کہہ رہے ہیں کہ سجاد خط ملا ہی نہیں
ہم آپ جا کے خط ان کے گھر میں ڈالتے ہیں

.....☆☆.....

شاعری کے حصار میں رہنا
اک مسلسل بخار میں رہنا!

ہاں ترے انتظار میں رہنا
کب ہوا اختیار میں رہنا؟

شیر تہذیب میں مقید ہیں
ہم کو آیا نہ غار میں رہنا

اہل منصب! تمہیں مبارک ہو
ہر گھری اک شکار میں رہنا

جن کے گھر میں ہے بھوک کی دولت
ان کو آیا قرار میں رہنا!

گو ہیں بے کار پھر بھی ہم چاہیں
ایک لمبی سی کار میں رہنا!

کس لیے راس آ گیا سجاد؟
کسی کینے یا ”باز“ میں رہنا!

.....☆☆.....

جو سگریٹ آخری تھا پی لیا ہے
پیا ہے زہر پھر بھی جی لیا ہے!

نہیں اٹھتے قدم اب اس گلی سے
کچھ ایسا اس پری نے "کیلیا" ہے!

پھسل جاتا ہے وہ ہر اک قدم پر
"مگورا" ہم نے جو ساختی لیا ہے!

بساند آتی ہے اس سے آلودوں کی
جو ہم نے آج تازہ گھنی لیا ہے

بچا رکھا تھا ہم نے دودھ شب کو
تری ملی نے آکر پی لیا ہے

پئے جاتا ہے وہ حقہ "پشوری"
مرا دادا بڑا "شیلیا" ہے!

نہیں آئے گا وہ سجاد مرزا
وہ ظالم تو بڑا "خزیلیا" ہے!

.....☆☆.....

وہ آکر داستاں کوئی پرانی چھیڑ دیتی ہے
کبھی پتوں، نواسوں کی کہانی چھیڑ دیتی ہے

ہمیں وہ بات کرنے کا کبھی موقع نہیں دیتا!
ہماری بات بھی اپنی زبانی چھیڑ دیتی ہے

سنانا چاہتے ہیں جب کبھی ہم داستاں اپنی
وہ اپنی ہی کوئی مجز بیانی چھیڑ دیتی ہے

ہم اس کے گھر میں جانے کا کبھی جو تذکرہ چھیڑیں
وہ ہنس کر قصہ سفلی مکانی چھیڑ دیتی ہے

انہیں وہ گاڑ دیتی ہے حسین یادوں کی دلدل میں
جو بوڑھوں کو صدائے نوجوانی چھیڑ دیتی ہے!

پھر اس کے بعد سکھ کا سانس بھی لیتی نہیں ہجتم
جو دھیرے سے وہ کھانی جادو دالی چھیڑ دیتی ہے

عذابِ جاں بنی جاتی ہے اب سجادہ ہر خواہش
شبِ تھائی میں سوزِ نہانی چھیڑ دیتی ہے!

.....☆☆.....

یوں اب کے عید منائی ہے سجاد غمتوں کے ماروں نے!
روتے کی صدائیں خوب سنیں اس گمرا کے درودیواروں نے

روزے نہیں رکھے جس نے بھی، دوزخ میں وہ سیدھا جائے گا
لوگوں کو بہت عی دھلایا جنت کے ٹھیکے داروں نے!

جو چیز خریدنے ہم جاویں، ریٹ اس کے سنیں تو ڈر جاویں
ہر چیز عی مہنگی کر ڈالی، اس دلیں کے ساہو کاروں نے

بھونچال نے سب کچھ چھین لیا، زخموں کے سوا کچھ بھی نہ پھا!
زمیون میں گزارہ کرنا ہے، آفات زدہ بے چاروں نے

ہر روز انخوا یا قتل و زنا، ڈاکوں سے ڈرایا جاتا ہے
کیا اس کے سوا، ہم کو ہے دیا، ان بڑے بڑے اخباروں نے

یاں بھوکے نگے لوگوں کو، روٹی ہو میر مشکل سے
وال مال پہ دھوم مچائی تھی کچھ بے فکرے مخواروں نے

سرکوں پر بیدل چلتا ہے تو اپنے آپ کو رکھ چوکس
سب کاروں والے کہتے ہیں، ہے نگ کیا ”بے کاروں“ نے
.....☆☆.....

یہ سازھی باندھ کر رکھی ہوئی ہے؟
چھلی ساری کمر رکھی ہوئی ہے!

ہر اک تشبیر کی بنیاد ہم نے
نسائی حسن پر رکھی ہوئی ہے

زمانے کی روشن سے ہم نے بیوی
سراسر بے خبر رکھی ہوئی ہے!

مسافت چھوڑ دی، چھوڑی نہ ہم نے
جو خونے ہم سفر رکھی ہوئی ہے

کہا اس میم نے ”وائن“ پرانی
مرے فادر کے گھر رکھی ہوئی ہے

وطن سے ڈور ہیں لیکن وطن کی
ہر اک تازہ خبر رکھی ہوئی ہے

نہ جانے کیوں مری شانخ تنا
خدا نے بے شر رکھی ہوئی ہے!

.....☆☆.....

عمرہ جو کرنے گھر سے عمر دین چل پڑے
بستی کے مرد و زن سمجھی لینے قدم بڑھے

ان کی گزارشوں کا نہ جب ہم پر اثر ہوا
کہنے لگے کہ آپ تو چکنے سے ہیں گھڑے!

شاپنگ کے واسطے جو وہ نکلے ہمارے ساتھ
رستے میں کچھ رقیب بھی تھے سر کے بل کھڑے

دیتا ہے ساری بزم کو ہنس ہنس کے گالیاں
ظالم کے منہ سے بارہا یہ پھول بھی جھڑے!

تحوڑی سی پی کے شیخ جی نکلے جو شہر میں
کچھ لوگ احترام میں پچھے ہی چل پڑے

لوگوں نے کیوں ہے مجھ کو تماشا بنا لیا؟
پھر اٹھائے پھرتے ہیں چھوٹے ہوں یا بڑے

مشہور سارے شہر میں یے وہ ”بلیکیا!“
ایسے ”سیاہ کار“ سے سجاد کیا لڑے؟

.....☆☆.....

آپ کی باتوں میں ہے تاثیر کچھ افسون کی
کیوں بدلتی جائے ہے رنگت ہمارے خون کی؟

سردیت میں کس لیے باقی نہیں کوئی کشش
کر گئی عارت مزا، گرمی می اور جون کی!

آپ کا پیغام جو مجھ کو ادھورا ہے ملا
کچھ خرابی اس میں شامل ہے یقیناً فون کی

پڑھ کے پہلے تو مزا لیتا رہا، پھر یہ کہا
بے نگی سی سرخیاں ہیں آپ کے مضمون کی

علم و فن میں ہے مرے اُستاد سا کوئی بتا
اس نے تو کر دی ہے ایسی تیسی افلاطون کی؟

یوں ہوا محسوس شہر دلبراں کو دیکھ کر
باعثِ تشبیہ ہے صورت ہر اک خاتون کی

نام علی انصاف کا اب رہ گیا۔ ہے دوستو!
دھیاں بھری پڑی ہیں ہر طرف قانون کی

.....☆☆.....

کسی کروٹ نہیں ہے چین، ٹی وی آن ہیں سب کے
نہیں پردا، چلیں گانے اگر بارہ بجے شب کے!

چلی آؤ، اکیلا ہوں میں، کمرے میں انڈھیرا ہے
تمہیں شاید نہیں معلوم، بچے سو گئے کب کے

جو کوئی مر گئی، اس کو سپرد خاک کیا کرنا
اسے ملی کو دے دیتے، کہاں آئے اسے دب کے

لنگوٹی میں یہ سب کے سب ادھر جو پھاگ کھیلیں ہیں
ہمارے دوست، جب نگے پھرا کرتے تھے، ہیں تب کے!

نہ کھاتے رات کو ”حبتِ ملتیں“ تو بچے رہتے
چلو، بیت الخلا بھاگو، مزے لولو اسی حب کے

کہا میں نے کہ جھے بچے ہیں اب تو بس کرو صاحب!
کہا اس نے یہی فضل و کرم تو ہیں مرے رب کے

پڑے دو چار جب جوتے تو وہ روتا ہوا بولا
 بلاتا ہوں میں ماموں کو، اگر مارو گے تم اب کے

.....☆☆.....

جو ملتا ہے وہی فاقہ زدہ معلوم ہوتا ہے
یہاں ہر ہاتھ اب کاسہ نما معلوم ہوتا ہے

رپٹ لکھوا میں بھی تو کس طرح اب جا کے لکھوا میں
کہ تھانے میں ہر اک بندہ ترا معلوم ہوتا ہے

نواسوں، پوتیوں کو اب سلا کر آبھی جا جاناں
اندھیری رات کا دم ٹوٹتا معلوم ہوتا ہے!

حسینوں کی تو رانی ہے نہ میں ہوں خوب روایا
مگر کیوں دربا اک دوسرا معلوم ہوتا ہے؟

ہر اک صنفِ سخن میں شاعری جو کرنہیں سکتا
مجھے تو تنگ اس کا قافیہ معلوم ہوتا ہے!

شرافت ہے یہی محفل سے، چکے سے نکل جاؤں
وہ کافر تو رقیبوں میں گھرا معلوم ہوتا ہے

کھلا ہے بادبائ سجاد اور بادِ مخالف ہے
سفینہ زندگی کا ڈوبتا معلوم ہوتا ہے!

.....☆☆.....

دیکھا ہے گرم ہر طرف بازار جھوٹ کا
اک ایک فرد ہے یہاں شہکار جھوٹ کا

بولا ہے اتنا جھوٹ، جوچ کے ہوا قریب
ہے پول کھولنا بہت دشوار جھوٹ کا

جس نے ہمیں فریب بھی دل کھول کر دیا
اس کے گلے میں ڈالیے اب ہار جھوٹ کا

کیسے بچیں گے، سوچئے سورج کے ہاتھے
لگتا ہے اب تو سالیہ دیوار جھوٹ کا

خوبیوں کی بھی پھول سے آتی نہیں، ہمیں
دیے تو ہے بہار پر گلزار جھوٹ کا!

اس نے کیا جو وعدہ تو وعدہ ہی وہ رہا
کچھ اور بھی حسیں ہوا کردار جھوٹ کا!

سجادِ ج کی بات سناؤ گے تم کے؟
ہر شخص کے ہے ہاتھ میں اخبار جھوٹ کا!

.....☆☆.....

کہیں الاک کا جھگڑا، کہیں اولاد کا جھگڑا
محیے حسوس ہوتا ہے یہ سب اجداد کا جھگڑا

تمہارے ہر پا آ کر خود کشی کر لوں گا میں اک دن
چکانا ہی پڑے گا اس دل نشاد کا جھگڑا

رقبوں کی شایست پر ہیش کان دھرتے ہو
نہ لے ڈوبے کہیں تم کو کسی فرہاد کا جھگڑا

اگر پڑھنے سے بچ جی چراتے ہیں تو یہ سمجھو
نہیں خود اک اب اچھی ہے سارا اکھاد کا جھگڑا

نظر کر رہوئی ہے ہر سی کوں نام موجود کا
کہ دیکھیں رات بھر ٹھی وی کہیں ایجاد کا جھگڑا

ہمیں بھجانہ اس ڈر سے جاتا شیخ نے طوہ
 محلے میلانہ ہو جائے کہیں اُستاد کا جھگڑا

کوئی موجی، کوئی ہلی، کوئی سمجھڑا، کوئی درزی
یہ روٹی کے دیلے ہیں، نہیں سجاد کا جھگڑا!!



یہ کیا تھوار ہے یا یا؟
خون میں تر اخبار ہے یا یا؟

ہم کو بیدل سمجھ رہا ہے
کار میں خود اسوار ہے یا یا؟

بلڈنگ ساری ٹوٹ گئی ہے
کیا مجھے دار ہے یا یا؟

جس کو موقع مل جاتا ہے
وہ اونچا ذکار ہے یا یا؟

خود ہی چوری میں ہے ملوث
کیا پھرے دار ہے یا یا؟

عقل کی تصویر کی صورت
شہر کا ہر بازار ہے یا یا؟

قررت، بخش، کردست سے پر
لوگوں کا کردار ہے یا یا؟

-----☆☆-----

عجب یارو! زمانہ آگیا ہے
بشر کو ہنہنا نا آگیا ہے!

کچن کامنہ نہیں دیکھا تھا جس نے
اسے کھانا پکانا آ گیا ہے!

بلا کر دشمنوں کو اپنے گھر میں
اسے الو بنا نا آ گیا ہے

سبھی راجہ اسے کہنے لگے ہیں
کوئی اندرھوں میں کانا آگیا ہے

سُنی ہیں جس نے یہ نمکین غز لیں
انے ہنسا ہنسا نا آگیا ہے

سوالِ وصل پر بڑھیا کو دیکھو
ادا سے سر ہلانا آگیا ہے!

بہت خوش ہیں سبھی سجاد گوئے
انہیں بھی گیت گانا آگیا ہے

.....☆☆.....

جب آتا ہے، وہ اپنے ہی فنانے چھوڑ جاتا ہے
پھر رومال، دستانے پرانے چھوڑ جاتا ہے

کتابوں میں مکاتیبِ محبت، چکے چکے سے
ضروری کام کے کر کے بہانے چھوڑ جاتا ہے

کسی بھی شہر میں آرام سے رہنا نہیں آیا
وہ بیکی طرح جلدی ٹھکانے چھوڑ جاتا ہے

سر بازارِ پُتتا ہے حسینوں کے جو ہاتھوں سے!
تو پھر وہ عشقیہ گانے سنانے چھوڑ جاتا ہے

سمگنگ، چور بازاری سے، ناجائز ذرائع سے
کما کر آدمی کیسے خزانے چھوڑ جاتا ہے!

وہ مورکھ ہیرا پھیری سے گزر اوقات کرتا ہے
مسجد سے اگر جوتے چرانے چھوڑ جاتا ہے

جون لیے آٹھویں غزلیں مروت ہی مروت میں
تو وہ بجاد سے ملنے ملانے چھوڑ جاتا ہے!

.....☆☆.....

عجب میری طبیعت ہو گئی ہے
کسی کافر سے اُلفت ہو گئی ہے

میں آیا رات کو جب لیٹ گھر میں
تو بیوی سے مرمت ہو گئی ہے!

سمجھتی ہی نہیں وہ بات میری
اسے مجھ سے خصوصت ہو گئی ہے!

لپ شیریں سے وہ دیتی ہے گالی
سرپا وہ حلاوت ہو گئی ہے

نکل جاتی ہے منہ سے الٰہی سیدھی
بری کشی یہ عادت ہو گئی ہے!

بھٹکتے ہیں سدا سڑکوں پر شب کو
ہماری نیند غارت ہو گئی ہے!

اسے سجاد حال دل سنائ کر
مجھے کچھ کچھ ندامت ہو گئی ہے

.....☆☆.....

رقبوں سے ملاقاتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں
ترے گھر میں خرافاتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں

اسے اس بات کا ہے علم، میں ہوں سوختہ سامان
مناتا ہے وہ شبراٹیں، مجھے اچھی نہیں لگتیں!

اگر کوئا اڑا کر لے گیا روٹی کا اک ٹکڑا
گلہری کی مناجاتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں

سنانے کے لیے تو اور بھی ہیں سینکڑوں قصے
ترے ہونٹوں پہ صلواتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں!

تری فرمائش آخ رکھاں تک میں کروں پوری
تری لاچ بھری باتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں

سبھی انسان جب پیدا ہوئے ہیں ایک ہی جیسے
قبيلے اور یہ ذاتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں

بننا چھت کے میں سردی اور گرمی کے مزے لوٹوں
مگر سجاد بر ساتیں مجھے اچھی نہیں لگتیں!

.....☆☆.....

سنا ہے رات بھر گاتی رہی ہے
وہ لڑکی جو کہ شرماتی رہی ہے

کبھی بچوں، کبھی شوہر سے چلیں
وہ خود کو یوں بھی بہلاتی رہی ہے

نہ ہوتی وہ کسی صورت بھی فربہ
ہمارا غم اگر کھاتی رہی ہے!

کریں کیا ہم یقین اسی بے وفا کا
ہمیں ڈیڈی سے پٹواتی رہی ہے

ہمارا ساتھ کیا وہ دے سکے گی!
اندھیرے سے جو گھبراتی رہی ہے

سُنے گر نام بھی حلوے کا واعظ
طبیعت اس کی لمحاتی رہی ہے

رقیبوں کو بلا کر اپنے گھر میں
وہ کیوں سجاد تڑپاتی رہی ہے

.....☆☆.....

یوں لیا اس نے ہمارا نام پہلی مرتبہ
ہم پہ ہو جیئے کیا انعام پہلی مرتبہ

مشورہ دینے لگی وہ شاعری کے باب میں
مینڈکی بی کو ہوا سرسام پہلی مرتبہ!

ہم کہاں پیتے پلاتے تھے مگر از راہ خیر
شیخ صاحب نے پلایا جام پہلی مرتبہ

جو دیارِ غیر میں پیے کمانے کو گیا
اس کو بھی کرنا پڑا ہر کام پہلی مرتبہ

لڑکھراتی، ڈگگاتی چال تھی مستانہ وار
پی کے جب واعظ چلا دو گام پہلی مرتبہ

کس قدر شیریں تھی وہ حسنِ ساعت کے لیے
اس کے ہوتوں پر بھی دشنام پہلی مرتبہ

میزبانی کا مزہ سجاد وہ لیتا رہا
اس نے جب ہم کو کھلانے آم پہلی مرتبہ

.....☆☆

یہ کیا اندازِ دلداری نکالا
ترے وعدوں نے ہم کو مار ڈالا

تری امی تو شک میں بستا تھی
ہمارا نام کیوں تو نے اچھا ل؟

لگاتا ہوں ترے کوچے کے پھیرے
مجھے کسی مصیبت میں ہے ڈالا؟

رقیبون سے نہ رکھ کوئی تعلق
محبت میں نہ کر گڑ بڑ گھٹالا!

انھا کر لے گئی مرغی کا بچہ
جسے کہتے ہیں سب شیروں کی خالہ

ملا کر دودھ میں پانی پلانے
بہشتی ہے کہ ہے کوئی گوا لا؟

سبھی سجادِ مرزا کہہ رہے ہیں
تراء رنگِ ظرافت ہے نزا لا؟

.....☆☆.....

جب کبھی آنکھوں ہی آنکھوں میں گذر جاتی ہے رات
صحیح تک پڑا ہمارا آہ ! کر جاتی ہے رات!

میکدے کا رات بھر کرتے رہے حضرت طوف
شیخ صاحب کو نچا کر اپنے گھر جاتی ہے رات

ایسی صورت میں کسی تنگے کا ملنا ہے محل
جب صفائیا چور کی داڑھی کا کر جاتی ہے رات

رو نے دھونے سے تعلق ہی نہیں اس کا رہا!
اس کی محفل میں سنا ہے اب سنور جاتی ہے رات

لڑکھراتے ہی رہیں گے عمر بھر اپنے قدم!
ہم کو دیوانہ بنانا کر یہ کدھر جاتی ہے رات

سر خوشی کے چند لمحوں کے لیے تڑپا کروں
تیر بن کر میرے سینے میں اُتر جاتی ہے رات

وہ بڑی نیت سے ، گھر سے آج تک لکلانہیں
کس لیے سجاد پر الزام دھر جاتی ہے رات
.....☆☆.....

بڑی تکرار بچے کر چکے ہیں
ہمارے دل لہو سے بھر چکے ہیں

بنے گا کون اس دل کا سہارا
ہم اپنا ہاتھ دل پر دھر چکے ہیں

ملکتی چال سے وہ آج نکلی
کئی بے موت اس پر مر چکے ہیں

کسی کو گھاس بھی اس نے نہ ڈالی
ہزاروں اس کا پانی بھر چکے ہیں

لیا کب کام لوگوں نے سمجھ سے
جو دافا اس نے ڈالا، چر چکے ہیں

ہمیں مطلوب تھا دیدارِ جاناں
ہر اک دیوار کو در کر چکے ہیں!

ہوا محسوس اکثر جیت پر بھی
کہ ہم سجاد بازی ہر چکے ہیں!

.....☆☆.....

جب تک اس کی بات کو ہم نے تکڑی میں نہ تولا
اس نے بھی توراز "ولے" کا ہم پر کب تھا کھولا!

کام تھا اس کا چھوٹا سا جو کروانا تھا جلدی!
افر بھی پھر نوٹ دیکھ کے منہ سے کچھ نہ بولا!

اس کے دشمن کو جو "بولی" ایک سال کی یارو!
بھری پچھری میں وہ گائے جگنی، ماہیا، ڈھولا

گھر میں جو مہمان ہے آیا، اس کی خدمت کریو
گھر والی سے کہتا پایا، ہم نے چاچا دولا

بھینس کے آگے بین بجانا، اس پر صادق آئے
ستا کب ہے بات کسی کی جو کانوں سے "بولا"

ایسا بھی تو ہو سکتا ہے، لوگ گلے پڑ جائیں
ظرف کرو ہو لوگوں پر تو رکھو ہاتھ بھی "ہولا"

ہاتھ میں ہو تکوار تو دنیا آ کر سیس نوابے
چی بات ہے ایک ہی مرزا، باقی سارا "رولا"

.....☆☆.....

بے خبر، اس کی بات لمبی ہے
تجھ سے جو ایک ہاتھ لمبی ہے

اس کی زد سے بچا کمر اپنی!
ہاتھ چھوٹا ہے، لات لمبی ہے

اوپنجی ایڑی کا پہنچ ہو جوتا
کیا شریک چپات لمبی ہے؟

غور سے دیکھ اُس کی بیماری
میر نفیات! لمبی ہے؟

اہل دل اپنی ذات میں محدود
حسن کی کائنات لمبی ہے

کیوں ابھی سے ہے نیند کا غلبہ؟
محفلِ لغویات لمبی ہے

کچھ نہ پائے گا لکھنے پڑھنے سے
منزل درسیات لمبی ہے!

.....☆☆.....

تم غریبوں کی بات کرتے ہو
کم نصیبوں کی بات کرتے ہو

حال جو پوچھنے نہیں آئے
ان جیبوں کی بات کرتے ہو؟

روز پڑتے ہیں ان کے کوچے میں
جن رقیبوں کی بات کرتے ہو

اپنی پہچان کھو چکے ہیں جو
ان ادیبوں کی بات کرتے ہو؟

یہ تو گفتار ہی کے غازی ہیں
جن خطیبوں کی بات کرتے ہو

آپ شامل ہیں جو مریضوں میں
ان طبیبوں کی بات کرتے ہو

تم بھی سجاد کتنے پاگل ہو
جو نصیبوں کی بات کرتے ہو

.....☆☆.....

کتابیں تری ، وہ رسالے ترے
کے یاد ہیں اب حوالے ترے

لگالے کسی سے لگالے تو دل
سمجھی ہیں یہاں دیکھے بھالے ترے

جو آنکھوں میں ہر وقت چھپتے رہیں
کوئی ہو ، یہ کائنے نکالے ترے

ہمیں ”نیٹ“ ملتا نہیں دودھ کیوں
ہیں بھینیں تری اور گواں ترے

شکایت تری کوئی کس سے کرے
ہیں تھانے ترے ، تھانے والے ترے

سنے جس نے ہنسنے ، اچھلنے لگا
کہا شعر ہیں یہ نزالے ترے

غلفتہ مزاجی سمجھی کو پند
سنے کون سجاد نالے ترے

.....☆☆.....

کسی دن مارہی ڈالے گی اس لی چال مستانی
ہمیشہ جس کی آنکھوں میں رہی ہے ایک شیطانی!

وہ اپنے حسن کی دولت لٹانے تو نہیں نکلی!
سنا ہے شیخ صاحب نے نئی شادی کی ہے ٹھانی

پڑھی لکھی بہت تھی ”آئینڈیل“، ملتا نہ تھا جس کو
سنا ہے آج کل وہ ہے مرے بچوں کی اُستانی!

کہاں سے جانور لاتا، مری تو جیب خالی تھی
مجھے بکرا سمجھ کر کیجیے میری ہی قربانی!

شریف الدین جس گھر میں ”نوکھے ہار“ لاتا تھا
اسی گھر کی، سنا ہے، آج کل کرتا ہے دربانی

انہیں کالج سے فارغ کر دیا کس نے کہ یہ لڑکے
پھرا کرتے ہیں سڑکوں پر، کیا کرتے ہیں من مانی

بڑھاپے میں بھی گھر والی کا ہم تو حکم مانیں ہیں
پہن کر کوٹ مرزا جی، پڑی پتلون سلوانی

.....☆☆.....

دل سنجلتا نہیں کسی صورت
تس پہ دیوو ہو شاعری کی مار

دیکھ کبیرا روئے

پاکستان کی دولت لوٹ کے لمبی تان کے سوئے
 جو کم ذات تھے، کوٹھی، مل، پچارو والے ہوئے
 اہل وطن کی راہوں میں ہیں کس نے کاٹھے بوئے؟
 چوپٹ راج کو دیکھ کے مرزا اور کبیرا روئے؟



روٹی کپڑا اور مکان کے وعدے جھوٹے نکلے
 اقتدار میں آنے والے سارے جھوٹے نکلے
 ہم کو وعدوں سے بہلانے والے جھوٹے نکلے
 مزدوروں نے جتنے دیکھے پنے جھوٹے نکلے



لاکھوں اور کروڑوں کے وہ قرضے لیتے جائیں
 ملی بھگت سے معاف کرا کر ہر پل موج اڑائیں
 حق داروں کے حق پڑا کاڈاں کے جشن منائیں
 مرزا اور کبیرا اپنے زخموں کو سہلائیں!



سوٹ پہن کر لج، ڈزروہ مٹک کر کھائیں
 لاث صاحب کے بمالے، بھائی یا بیٹے کہلائیں!
 انگریزی میں لقمه توڑیں، سب پر رعب جمائیں
 مرزا اور کبیرا ان کے جھل پہ اشک بھائیں!



علم ادب کی راہوں میں بھی یہ روزے انگائیں
 آئے دن وہ ڈاک ٹکٹ کے رہت بڑھاتے جائیں
 کیسے اخبارات، رسائل مرزا جی تک آئیں؟
 کیسے ہم کتابیں دوچے دیسیوں میں بھجوائیں؟



مہنگائی کی دیوی سب کو تنگی ناج نچائے
 تھوڑ سکائی والا، کیسے گھر کا خرچ چلائے؟
 رشوت خوری، ڈاکا، چوری فیشن اب کہلائے
 ایسے پاپی لوگوں کو سجاد کوئی سمجھائے!

.....☆☆.....

یورپ کے رنگ

روپ سروپ انوکھے دیکھوں، دور کھڑا للاچاؤں
کیسے کیسے سندر مکھرے دیکھے دیکھے رہ جاؤں!

یورپ کے ہیں رنگ نزالے، کیسے میں سمجھاؤں؟
لفظوں کی تصویریں کھینچوں، لوگوں کو دکھلاؤں

بھوکی آنکھوں سے وہ دیکھیں، سامنے جب میں آؤں
بانگی، تیکھی ناریں دیکھوں، گیت خوشی کے گاؤں

یورپ میں لگتا ہے جیسے آ کے میں پچھتاوں!
جانے کیسے کیسے دھوکے شام سوریے کھاؤں؟

جی چاہے ہے میرا، اپنے دلیں پلت ہی جاؤں
غیروں میں ان جانتے پن میں، دل کو روگ لگاؤں!

روکھی سوکھی بہتر ہے کہ اپنے گھر کی کھاؤں
جائے اپنے دلیں میں، یورپ لوٹ کے پھرنہ آؤں

قدم قدم پر روز تماشے دیکھوں اور شرماؤں
کیا دیکھا یورپ میں آ کر، کیا سجاد بتاؤں!



دلاور جان

(آخر شیر افی کی روح سے مخذرات کے ساتھ)

اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی!
 کہ جس کی مال داروں سے سدا پچان رہتی تھی
 مگر ہم سے، خدا جانے، وہ کیوں انجان رہتی تھی
 دلاور جان ہم کو دیکھ کر حیران رہتی تھی!

وہاں خالہ بھی اس کی صورت شیطان رہتی تھی
 اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی

وہ کھا کر پان جب حقے پشوری کے مزے لوئے
 نہ پھر دل سے برآمانے، نہ پھر ہم سے کبھی روٹھے
 وہ اپنے چاہنے والوں سے کہتی تھی ”چلو جھوٹے“
 وہ اک گلشن کی صورت تھی، کھلتے تھے ہر طرف بوئے

ملاقات اس سے ہر شب کس قدر آسان رہتی تھی
اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی!

کبھی وہ ساز اور آواز کا جادو جگاتی تھی
کبھی وہ روٹھ جاتی تھی، کبھی وہ مان جاتی تھی
لہک کر جب کبھی وہ گیت کا مکھڑا اٹھاتی تھی
ہمارے قلبِ مضطرب پر کوئی بجلی گراتی تھی!

کسی ملکہ کی صورت وہ بصد سامان رہتی تھی!
اسی نگری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی

سمجھتا تھا اسے اپنا جو اس کے پاس آتا تھا!
جو اس کوٹھے پر آتا تھا، پلٹ کروہ نہ جاتا تھا
وہ اب قسمت پر روتا ہے، کبھی جو مسکرا تھا
لٹا کر مال وہ اپنا، وہاں طبلہ بجا تا تھا!

اسی کی کوٹھی کی مالک ہے، جہاں مہماں رہتی تھی
اسی گمری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی

کوئی اس کی محبت کا بھرے جودم بھرے کیوں کر
رنیسِ شہر وال لٹتے ہوئے دیکھے کئی اکثر
اجاڑے ہیں دلاور جان نے آ کر بہت سے گھر
اسی کافر ادا کا ایک اک دل میں بسا ہے ڈر

کسے لوٹے، اسی اک فکر میں غلطان رہتی تھی
اسی گمری کے کوٹھے پر دلاور جان رہتی تھی!



عید پر

خوب اس آتش بدن نے پہنا گھکھرا عید پر
دے گئی ہنس ہنس کے وہ تو ہم کو رگڑا عید پر

ہم تو دو اک بوٹیوں ٹھنی پر قناعت کر گئے!
کھا گیا واعظ اکیلا ایک بکرا عید پر

مجھ کو لینے، کارنے لے کر آئیو سرال میں
لے گیا، بیوی کو لینے وہ تو چھکڑا عید پر

ہو گئی گھر میں اچانک کیسے اس کے ریل پیل؟
مار بیٹھا ہے کہیں وہ ہاتھ تگڑا عید پر

جائیے، گھر جائیے، ہم کو بھی جانے دیجئے
کیوں میاں! کرتے ہو ہم سے آپ جھگڑا عید پر

یوں بھی ”عیدی“ کے لیے اپنی ”پلس“ بدنام ہے
اک میاں بیوی کو گھر سے جا کے پکڑا عید پر

سوچ کے پاؤں میں رسی باندھ اور خاموش رہ
کر رہا ہے کس لیے سجاد لفڑا عید پر



جانِ محفل

انوکھی تھی ادا اس کی، سرورِ شام رکھتی تھی
ہمیشہ اپنے ہونٹوں پر حسین دشام رکھتی تھی

جو اس سے ملنے آتا تھا، اسی کا ہو کے رہتا تھا
کہ گھر آیا ہوا مہمان نیرِ دام رکھتی تھی!

چلے آتے تھے آنکھیں سینکنے واعظ، کئی زاہد
وہ اپنی بزم میں کیا کیا حسین گلفام رکھتی تھی

نہ شہرت سے غرض اس کو، نہ دولت سے علاقہ تھا
مہذب تھی بہت ہی اور اونچا نام رکھتی تھی!

سنا ہے، وہ بڑی شاطر تھی، بازی اس سے جو کھلیے
وہ اس ”ماہر کھلاڑی“ کے لیے انعام رکھتی تھی!

نہ کرتی تھی کسی کے کام میں وہ دخل اندازی!
سنا ہے، وہ تو اپنے کام سے بس کام رکھتی تھی

وہ جس کو دیکھ لیتی تھی، نشے میں ڈگنا تا تھا
حسین آنکھوں میں گویا وہ چھلکتا جام رکھتی تھی!

”وہاں تھے اتصالِ موج و ساحل دیکھنے والے“
بھی کہتے تھے اس کو ”جانِ محفل“ دیکھنے والے



خورشید

”انکل انکل“ سب کو کہنا، اس کا عجب و طیرا تھا
ماں تھی اس کی گونگی بہری، بھائی اس کا ”ٹیرا“ تھا

”فارن“ شادی کرنے کا عوہ ہر پل سوچا کرتی تھی
ایسا شوہر ملیا جو کہ ”منکر اور نکیرا“ تھا!

دو ہی سال میں ہو کے مطلقہ آگئی اپنی ماں کے پاس
پھر اک بڑھیا کی خدمت کی، جس کا بیٹا ہیرا تھا!

یہ شادی بھی راس نہ آئی، قسمت ماری لڑکی کو
پھر اک بوڑھاتا کا اس نے جس کا نام فقیرا تھا

بھیک مانگنا اس کا پیشہ، لوگوں میں مشہور تھا وہ
ایک ہاتھ میں کاسہ اس کے دو جے ہاتھ میں کھیرا تھا

جتنے یار فقیرے کے تھے، سب افیونی، چرسی تھے!
ایک ہی بندہ نیک تھا ان میں یعنی چاچا جیرا تھا

ایسی ”حور شماںل“ بیوی، ہائے اس کی قسمت میں!
بھیک کی مایا پاس تھی جس کے، بوڑھا ”گوند کیترا“ تھا



بیوی

شکل سے پہلوان لگتی ہے
ہاتھ چھٹ، بد زبان لگتی ہے

عمر ہے ساٹھ کے قریب اس کی
آج بھی وہ جوان لگتی ہے!

اس کے آگے، مجھے ہر اک عورت
کس قدر دھان پان لگتی ہے!

میری کشتی کی نا خدا ہے وہ
قهر کا بادبان لگتی ہے

سامنے اس کے میں زیں زادہ
وہ مجھے آسمان لگتی ہے!

مجھ کو پاگل بنائے دیتی ہے
جب کبھی مہربان لگتی ہے!

گھر میں جب بھی کبھی اندر چیرا ہو
وہ تو دینے اذان لگتی ہے!

میں وفا کا یقین دلاتا ہوں
وہ مگر بد گمان لگتی ہے

کیسی بیوی مجھے ملی سجاد؟
زندگی امتحان لگتی ہے!

.....☆☆.....

ملنگا

اپنا یار ملنگا تھا
عادت کا وہ چنگا تھا!

شاعر تھا وہ نمبر ”ون“
شعر مگر دو رنگا تھا

کھاتا تھا وہ پان بہت
بول اس کا بے ڈھنگا تھا

چہرہ تھا مسکین بڑا
لیتا سب سے پنگا تھا!

وہ تیمور تو بن نہ سکا
جبکہ مانگ سے لنگا تھا

سر پر بال تھے گفتی کے
جن پر کرتا کنگھا تھا!

اس کی سوچ کے دھارے میں
راوی ، رائی ، گنگا تھا!

میں نے گپڑی نذر کری
اس نے جوتا منگا تھا

اس دن وہ بھی ”پار“ ہوا
جس دن شہر میں دنگا تھا



دوارے

ہمارے پاس بھی دو چار غزلوں کا ااثاثہ ہے
سائیں گے، ہمارے سامعین کالے ہوں یا گورے
ہمارا بھی تعلق ہو اگر اخبار سے یارو!
کبھی دوحا، قطر، مسقط کبھی پورپ کے ہوں دوارے

.....☆☆.....

فضلِ ربی

دو عدد بیوی کے جب سے سیٹھ شوہر ہو گئے
ایک دو بچے کہاں؟ درجن سے اوپر ہو گئے!
ہے جواں اولاد گھر میں اور خدا کے فضل سے
اک پچارو، دو کرولا، پچھے سکوڑ ہو گئے!

.....☆☆.....

معیار

واعظ نے پی شراب تو لوگوں نے یہ کہا
 لو آج وہ بھی صاحب ایمان ہو گیا
 جس کو تمیز خچر و گھوڑا نہ تھی کوئی
 وہ بھی ہمارے عہد کا سلطان ہو گیا!

.....☆☆.....

خوف

کس طرح ہم پچ سکیں گے اس کی ٹیڑھی آنکھ سے
 رُخ ہمارے دل کی جانب ہے کلاشکوف کا!
 روکتا کوئی نہیں اور بولتا کوئی نہیں
 ہر زبان پر جس طرح تالا پڑا ہو خوف کا

.....☆☆.....

سنہری موقع

رقیبوں کو میں ان کی کوٹھیوں میں جھانک آتا ہوں
 کہ اس گرمی میں ہر گز وہ نہ اپنے گھر سے نکلیں گے
 اٹھاؤ فائدہ سجاد مرزا بے دھڑک ہو کر
 تمہیں ”وہ“ دو پھر میں دیکھ کر تھوڑا سا پکھلیں گے

.....☆☆.....

راجہ اندر

شفا خانے کے بستر پر جناب شیخ کو دیکھو!
 حسین و دل کش و دلدار نرسوں کے ہیں گھیرے میں
 کسی سولہ برس کی حور سے خواہش ہے شادی کی
 یہ حضرت ہیں اگرچہ ساٹھ یا پینٹھ کے پھیرے میں!

.....☆☆.....

ہضم کر سکتا نہیں

اس قدر وہ پیٹ کا ہلکا ہے یا رب! کیا کریں
وہ تو میٹھی کچیر تک بھی ہضم کر سکتا نہیں!
اس کی قابو میں نہیں رہتی زبان بد لگام
غیر کی تحریر تک بھی ہضم کر سکتا نہیں!

.....☆☆.....

خرید لیتے ہیں

مال و زر جن کے پاس ہوتا ہے
مفلسی بھی خرید لیتے ہیں!
ہم نے دیکھے ہیں ایسے تشاعر
شاعری بھی خرید لیتے ہیں!

.....☆☆.....

پہچان

ایسے جھوٹے لوگ جن کو جانتا کوئی نہیں
آپ کہتے ہیں انہیں ، اس شہر کی پہچان ہیں!
مال دے کر دوسروں سے شعر لکھواتے ہیں جو
ایسے ”حضرت“ بھی نہیں اب صاحبِ دیوان ہیں

.....☆☆.....

أُستاد شاعر

چار دن کی زندگی میں چار غزلیں کہہ سکے
محفلوں میں اس بساطِ عجز سے لیتے ہیں کام!
یہ ہمارے شہر کے خود ساختہ اُستاد ہیں
چھوٹے چھوٹے ان کے درشن، بھاری بھاری ان کے نام

.....☆☆.....

ظہرانی

بڑھ گئی حد سے زیادہ ظہرانی کیا کہیں
 کون اب ہم پر کرے گا مہربانی کیا کہیں!
 آج کی مہنگائی میں کیا خودکشی جائز ہوئی
 سر سے اوپر چاہو گیا سجاد ، پانی کیا کہیں!

.....☆☆.....

سبب دیگر

اخبار میں ہر روز پڑھیں قتل کی خبریں
 ان دل کے مرضیوں کی طبیعت بھی عجب ہے
 پوچھیں ہم ان سے تو وہ شوخی سے کہیں گے
 اس دل کے مرض کا تو کوئی اور سبب ہے!

.....☆☆.....

عہدِ ماضی

ہمیں بیتے ہوئے کیا کیا فسانے یاد آتے ہیں
 بڑھاپے میں جوانی کے زمانے یاد آتے ہیں!
 کبھی مرغاً بنے اُستاد جی سے مارکھاتے تھے
 بہم مل کر وہ رونے اور گانے یاد آتے ہیں

.....☆☆.....

سلسلہ

رہی سہی بھی کسر آج ہو گئی پوری
 کہ اس نے ہم کو بھری بزم سے نکالا ہے
 وہ کہہ رہی تھی یہاں غیر لوگ بیٹھے ہیں
 ملو اکیلے میں ، یہ سلسلہ نزالا ہے

.....☆☆.....

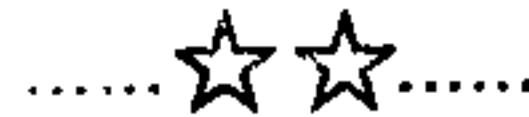
انتظار

نظر بچا کے جو پہنچا میں اس کے کوٹھے پر
وہ جان بزم ، بناو سنگھار کرتی تھی!
گلی میں بھیر کہ مخلوق تشنہ دیداراں!
نہ جانے کب سے کھڑی انتظار کرتی تھی؟



بے بسی

کسی زلف معطر کی مہک آئے تو کیوں آئے
کوئی ”نیلم پری“، جب اپنے قابو میں نہیں آئی
کسی ہمسائی سے آنکھیں لڑانے کی جو کی ہمت
وہ سب کے بہامتے ، کہنے لگی سجاد کو ”بھائی“



شاد باد

سچھ دالے ہی اپنے گھر میں گھر داما درکھتے ہیں
وہ بیٹی ، اس کا شوہر قید میں آزاد رکھتے ہیں
لڑیں، جھگڑیں میاں بیوی تو خوش ہوتے ہیں گھر دالے
چمن ان کی محبت کا بہدا آباد رکھتے ہیں!



صورت حال

نہ جانے عید پر کیون خوئے قربانی نہیں جاتی
کہ دنیا دار ہیں پھر بھی مسلمانی نہیں جاتی!
گزاری زندگی ہم نے اسی چکی کے پاؤں میں
”کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی“



کامرانی

دولتِ ملک ، دولتِ غیراں
 ایک اک شے سمیٹ رکھی ہے!
 کیا کہیں ، اس کی فتح کا عالم
 اس نے قسمت ”گریٹ“ رکھی ہے!

.....☆☆.....

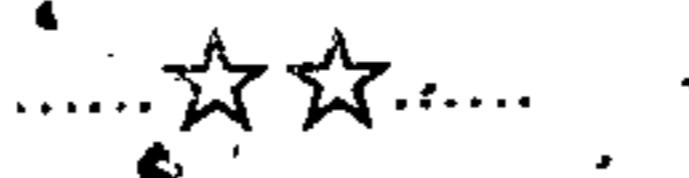
احوالِ واقعی

کیا وسائل میں ہے کی یارو!
 ایک اک فرد ہے ”گریٹ“ یہاں
 اس سیاست کا ہو برا صاحب!
 جو بھی ہو کام ، ہو وہ لیٹ یہاں

.....☆☆.....

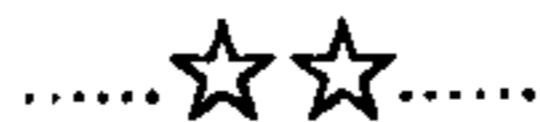
نخرے دار

ہمارے سامنے ہے سات بچوں کی حسین ممی
ٹماڑ کی طرح جس کے لب و رخسار دیکھئے ہیں
میاں کا منہ گھی دانتوں سے، سر بالوں سے خالی ہے
مگر اس عمر میں بھی دونوں ”نخرے دار“ دیکھئے ہیں



طوفان

ملنے کے ہمارے ابھی امکان بہت ہیں
کیا کیجیے، پیچھے پڑے شیطان بہت ہیں
تم بھینس کو لے آئی ہو ”چھپڑ“ میں نہانے
اس شہر میں اُٹھے ہوئے طوفان بہت ہیں!



اہل بصیرت

نگاہِ اہلِ بصیرت ہے کیا غصبِ ڈھانی
کہ جس پر پڑ گئی، اس کو تباہ کرتی ہے!
ہمارے افسرِ خوش حال کی حسین یوں
بصدِ خلوص سمجھی سے نباہ کرتی ہے!

.....☆☆.....

تو بڑت راڑیاں

کس نے اگائی ہیں ترے رستے میں جھاڑیاں
ہم سے کرے ہے مفت میں تو بڑت راڑیاں
بیٹھے مسافروں کے بھیں میں ہیں کہ کچھ ”ڈکیٹ“
ہر اک قدم پر آج کل لٹتی ہیں گاڑیاں

.....☆☆.....

چلن

کہیں مسلک پر گڑا ہے، کہیں مذہب پر جھگڑا ہے
 چلن سجاد بگڑا ہے ہمارے دور میں سب کا!
 چلاتے ہیں مساجد میں جو آ کر گولیاں اکثر
 انہیں ڈر ہے خدائی کا نہ ان کو خوف ہے رب کا!



تضاد

زاہد! خدا کا خوف بھی آخر ہے کوئی چیز
 دل سے، دماغ سے ذرا نفرت کی بو نکال!
 یا ہم کو دے نکال کے جمرے سے ڈھٹ رز
 یا ہم کو ٹالنے کی کوئی گفتگو نکال!



ایڈ ہاک پر

چل رہا ہے کام سارا آج کل ایڈ ہاک پر
 ہے ان آنکھوں کا اشارہ آج کل ایڈ ہاک پر
 چائے، پانی کے لیے پوچھا نہیں سجاد نے!
 کر رہا ہے وہ گزارا آج کل ایڈ ہاک پر

.....☆☆.....

موقع شناس

اک پری وش کو جودیکھا ساتھ میرے ایک دن
 میری بیگم مجھ سے لڑنے کے لیے تیار تھی!
 بولی، ”بھیا! یہ حسین بیوی کہاں سے ماری؟“
 سوچتا ہوں، وہ پری وش کس قدر ہشیار تھی!

.....☆☆.....

باتیں

دل چسپ بتاتا رہا قانون کی باتیں
 جیسے کسی ناکنخدا خاتون کی باتیں
 نظریں تھیں پھٹی دھوتی پہ سجاد ہماری
 وہ ہم کو سناتا رہا پتوں کی باتیں!

.....☆☆.....

ہم نوا

اک گنج کے آنے سے کئی گنج ملے ہیں
 مانگا ہے اگر ایک ، مجھے ”جخ“ ملے ہیں
 اپنوں سے شکایت کا یہ موقع نہیں سجاد
 اب غیر سمجھی اپنے نواجخ ملے ہیں!

.....☆☆.....

شکاری

بگئے بھگت بنے ہوئے بیٹھے ہیں چوک میں!
 ”لائنس“ ان کے پاس ہے ہر وقت کھاننا
 جو بھی وہاں سے گزرے، اسے گھورتے رہیں
 ان کا کسب ہے روزاک ”مرغی“ کو پھانسنا!

.....☆☆.....

ہذا ظالم عظیم

ہوٹل میں چائے کے لیے ہم بیٹھ تو گئے
 ہوٹل یہ عام کا نہ تھا، ہوٹل تھا خواص کا!
 ”نیرنگی“ سیاست دوران تو دیکھیے،
 چائے کا ایک کپ پیا ہم نے پچاس کا!

.....☆☆.....

جیون ساتھی

جو بھی ملتا ہے یہی کہتا ہے شادی کر لو
 یوں اکیلے تو گزارہ نہیں ہو سکتا ہے
 بات ہی اور ہے جو ساتھ ہو جیون ساتھی
 ہوش آجائے گا یا ہوش بھی کھو سکتا ہے!

.....☆☆.....

اٹھائی گیر

ہمارے دور کے انسان بڑے دل گیر رہتے ہیں
 بہت خاموش ہیں اور صورتِ تصویر رہتے ہیں!
 چرا کر لے گئے کل شب وہ پراناہ بھی ”ٹھی“ کا!
 مرے چاروں طرف کیسے اٹھائی گیر رہتے ہیں

.....☆☆.....

خس کم جہاں پاک

ہے خدا کا شکر، گھر وہ چھوڑ ہمسائی گئی
 نت نئی ہم سے قسم ہر روز اٹھوائی گئی!
 بالیاں چوری ہوئیں، وہ سب پہ شک کرنے لگی
 چور جو اصلی تھا، اپنی ہی بہن پائی گئی!

.....☆☆.....

وارنگ

دالوں کے ریٹ بڑھ گئے، آٹے کے ریٹ بھی
 اب منہ چڑا رہی ہے یہ خالی پلیٹ بھی!
 کتنے دنوں سے کہہ رہا ہے مالکِ مکان!
 سجاد اب یہاں سے تو بستر لپیٹ بھی!

.....☆☆.....

معلوم ہوتی ہے

تمہارے شہر کا اب کے عجائب ماحول دیکھا ہے
 کہ جنت میں جہنم کی فضا معلوم ہوتی ہے!
 مجھے تو نیند بھی آتی نہیں سجاد راتوں کو
 مری کھانسی بڑھاپے کی صدا معلوم ہوتی ہے



کاغذی پیر ہن

ہے بڑا کڑوا رویہ اس بہت بے پیر کا!
 توڑتا ہے ہر گھری دل ، عاشقِ دل گیر کا
 آہی جائیں گے نظر برسات میں سارے نقوش
 ”کاغذی ہے پیر ہن ہر پیکر تصویر کا“



اندازِ زیاں

سر پھٹوں ہو رہی ہے مسجدوں میں آج کل
 واعظِ شیریں بیاں کے وعظ کا اعجاز دیکھ
 کہہ رہے ہیں ایک دوچے کو سمجھی کافر یہاں!
 یہ اخوت کے سکھانے کا حسین انداز دیکھ

.....☆☆.....

لاحوال

اک عمر گذاری ہے یوں خواب کی نگری میں
 لوٹے ہیں مزے ہم نے مہتاب کی نگری میں
 احباب بھی پڑھتے ہیں ”لاحوال ولا قوت“
 شیطان کا تسلط ہے احباب کی نگری میں!

.....☆☆.....

فکر امروز

اضافہ ہر مہینے ہو رہا ہے
 ہو بھلی ، گیس ، ٹیلی فون کا بل
 ملازم آدمی ہوں کیا کہوں میں؟
 دھڑکتا ہے ہر اک لمحہ مرا دل!

.....☆☆.....

مظلوم

ڈرے ، سہے ہیں کیوں اُستاد سارے؟
 کوئی بچہ انہیں پھر نہ مارے!
 سہارا تھے کبھی جو دوسروں کا
 وہی سجاد ہیں خود بے سہارے!

.....☆☆.....

احتیاط

دیکھو تمہارا پیار بھی لٹیا ڈبو نہ دے
 مجھ سا غلام گردشِ دوراں میں کھونہ دے؟
 تم جس سے کہہ رہے ہو کہ وہ آیا ہے کیوں یہاں
 مایوس ہو کے وہ کہیں محفل میں رو نہ دے

.....☆☆.....

چج بات

مختصر بات کر رہا ہوں میں
 جیسے تاوان بھر رہا ہوں میں
 میں فساوی نہیں ہوں جانِ من!
 دھول دھپے سے ڈر رہا ہوں میں

.....☆☆.....

ہماری گائے

رقابت ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے
 کرم غیروں پہ وہ فرما رہی ہے!
 پلا آتی ہے کس کو دودھ اپنا؟
 ہماری گائے جو بکھل رہی ہے!

.....☆☆.....

کھیل یا تجارت؟

ہر اک تفریع کے جھوٹے سہارے
 غریبوں نے کڑے دن ہیں گزارے
 یہاں ہر کھیل ہے اب اک تجارت!
 کہاں زردار، نے ڈاکے نہ مارے؟

.....☆☆.....

خودداری

بلندی پر خودی سجاد رکھی
 کبھی دلدار کے پیچھے نہ بھاگے
 ہمیں شہرت سے کچھ مطلب نہیں تھا
 اُسی اخبار کے پیچھے نہ بھاگے!

.....☆☆.....

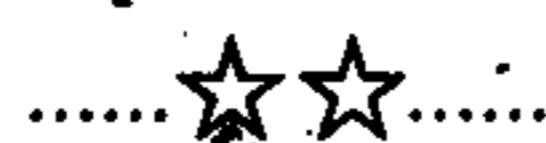
شوختی گفتار

آلودہ شراب ہیں افکار دیکھنا!
 اب شیخ جی کا، آپ ہی کردار دیکھنا
 ہر شب بدل کے بھیں وہ آتے ہیں میکدے
 پینے کے بعد شوختی گفتار دیکھنا!

.....☆☆.....

مراجعةت

کہیں پھولوں کی وادی میں، کبھی تاروں کی چھاؤں میں
 گزاری زندگی ہم نے یونہی فاقہ سراوں میں!
 تمہارے شہر میں دیکھی ہے وہ تزلیل انسانی!
 پلٹ کر آ گئے سجاد مرزا اپنے گاؤں میں



اندیشہ

اس شوخ کی جھوٹی باتوں سے اب دل کو تسلی کیا ہوگی
 رسوائی کے بادل چھائے ہیں، برسات "اُولیٰ" کیا ہوگی
 تم اپنا مصلا کاندھے پر بے کار اٹھائے پھرتے ہو!
 جس قوم کی قسمت سوئی ہو وہ قوم "مصلی" کیا ہوگی



ڈوب گئی

سگریٹ کے بل کھائے دھوئیں میں میری جوانی ڈوب گئی
 کچھ اس کی باتیں یاد رہیں، کچھ اپنی کہانی ڈوب گئی
 اب دن کے اجائے میں آکر چوروں کا راجہ کہتا ہے
 اس گاؤں کے "چھپڑ" میں کل شب اک روپ کی رانی کی ڈوب گئی

.....☆☆.....

اہتمام نہیں

شہرت عام میں کلام نہیں
 ہر سخن کو مگر دوام نہیں!
 رونے دھونے کا التزام بہت
 مسکرانے کا اہتمام نہیں!

.....☆☆.....

سو ہے وہ بھی آدمی

دولت کما رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 دھکے جو کھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 رونق بڑھا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی
 رونق گھٹا رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

.....☆☆.....

نصیحت

کل گئے تھے، آج وال جانے کا تم سوچو نہیں
 قدر کھو دیتا ہے ہر اک روز کا جانا، سنو
 ہے یہی بہتر تمہارے واسطے سجاد جی!
 گھر میں بیٹھو اور ”مہدی خان“ کا گانا سنو

.....☆☆.....

شوختی رفتار

لنگڑا کے چل رہا ہے وہ ”اہل زبان“ آج
 اچھا ہوا جو شوختی رفتار کم ہوئی
 باتوں کی تیز گام میں ٹھہراؤ آگیا!
 لگتا ہے جیسے رونق بازار کم ہوئی

.....☆☆.....

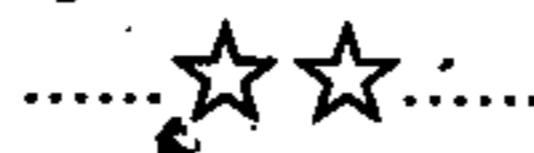
دیکھ کر

سودا کریں گے ہم تو کھرا مال دیکھ کر
 پھسلیں گے اور لوگ تیری چال دیکھ کر
 ان کو پھنسانے والی کوئی اور چیز ہے!
 پختے نہیں پرند کبھی جال دیکھ کر

.....☆☆.....

فکر فردا

وہ لے گئی ہے خوشبوئیں ساری سمیٹ کر
 کاغذ کے پھول دے گئی مجھ کو لپیٹ کر
 ملتی ہے کس لیے مجھے ہر روز بار بار؟
 اکثر یہی ہوں سوچتا بستر پہ لیٹ کر



اور پھر بیاں اپنا

مجھے ہر روز لا کر نان اور پائے کھلاتا تھا
 ”خدا بخشے بڑی ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں“

.....
 اچھا ہے لے کے پھرتی ہو کتیا کو ساتھ ساتھ
 ”لیکن کبھی کبھی اسے تھا بھی چھوڑ دئے“

.....
 نامہ بر کے ہاتھ جو بھیجا ہے ”میک اپ بکس“ بھی
 ”اس پر کھل جائے کہ مجھ کو حضرتِ دیدار ہے“

ہر روز جا کے راوی میں نگا نہاتا تھا
 ”حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا“

اکیلی چھوڑ کر کلوکی ماں کو، اس کے میکے میں
 ”پرانے دلیں میں جانا مجھے اچھا نہیں لگتا“

بناؤ گرم سالے کی تم ادھر فلمیں
 ”مکیں ادھر کے بھی جلوے ادھر کے دیکھتے ہیں“

شیخ بولے دیکھ کر ”سن باتھ“ کرتی گوریاں
 ”آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق“

.....
 ہوا بھنگن پہ لٹو چاند جیسا اک حسین لڑکا
 ”اگر کج روہیں انجم ، آسمان تیرا ہے یا میرا“

.....
 تو پکا کے کھیر جانا! کیوں اکیلی کھارہی ہے؟
 وہی میری کم نصیبی ، وہی تیری بے نیازی“

رقبوں سے ملا کر ہاتھ، اک عاشق یہ کہتا تھا!
”تمہیں چاہوں، تمہارے چاہنے والوں کو بھی چاہوں“

.....
تمہارے ساتھ میں لندن کی سیر کر آؤں
”کبھی کبھی مرے دل میں خیال آتا ہے“

.....☆☆.....

Marfat.com